تعمیرِ حیات

لکھنؤ

پندرہ روزہ

مجلس صحافت و نشریات دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد ۳۰ | ۱۰ اگست ۱۹۹۳ء مطابق ۲۰ صفر ۱۴۱۴ھ | شمارہ ۱۹

۶۷۷۹
۱۰۸۳۹۰

اداریہ ● شمس الحق ندوی

عید میلاد اور ہماری ذمہ داری

چندہی دنوں کے بعد ربیع الاول کا وہ مبارک مہینہ شروع ہونے والا ہے جس میں محسنِ انسانیت، رحمت عالم محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی اور تڑپتی کراہتی اور دم توڑتی انسانیت کو زندگی کا پیغام ملا، ایسی تڑپتی دنیا کو جس میں بادشاہ دوسروں کے خون پر پلتے اور بستیاں اجاڑ کر بستے تھے، زندگی کا کوئی اصول و دستور نہیں تھا، انسان تھا انسانیت مٹ چکی تھی، آپ کی بعثت سے دنیائے انسانیت کو نئی زندگی ملی، انسانوں کو انسانیت کا سبق ملا اور تاریخ انسانی میں ایک ایسے سنہرے باب کا اضافہ ہوا جو اب رہتی دنیا تک کے ہوش و گوش رکھنے والے انسانوں کے لیے چراغ راہ اور نشانِ منزل ہے۔

یہی وجہ ہے جب یہ مبارک مہینہ آتا ہے تو مسلمان اپنے پیارے نبیؐ کی پاکیزہ تعلیمات اور ایمان افروز اسوۂ رسولؐ کو تازہ کرنے کے لیے جگہ جگہ ہر شہر اور ہر قصبہ میں جلسہ کرتے ہیں کہ دنیاوی جھمیلوں کے اثر اور گردش روزگار کی ہماہمی کے سبب سے ان کے مرجھائے اور کھلائے ہوئے ایمان و یقین میں پھر سے تازگی پیدا ہو، اگر وہ سہو و غفلت کے سبب اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقۂ زندگی سے کچھ ہٹ گئے ہوں، کوتاہی عمل کا شکار ہو گئے ہوں، وساوس شیطانی اور رسوم و رواج سے متاثر ہو کر اپنے نبیؐ کے طریقہ کو بھول گئے ہوں تو ان میں پھر سے جوشِ عمل پیدا ہو، اگر کسی اور تہذیب و تمدن کے داغ دھبے ان پر پڑ گئے ہوں تو ان کی اپنی غیرتِ دینی اور جوش ایمانی میں تازگی آئے وہ پھر سے سنہالائیں اور اپنی زندگی کو اسوۂ رسولؐ کے سانچہ میں ڈھالنے کی فکر و کوشش کریں کہ ان کے لیے آئیڈیل اور نمونہ رسولؐ کا اسوہ ہے نہ کسی اور قوم کا طریقہ حیات اور تہذیب و تمدن، کتنے مبارک ہیں وہ لوگ جو اس شوق و جذبہ کے ساتھ سیرتِ پاک کے ان جلسوں کا اہتمام کرتے ہیں یا در سیرت پاک پر کتابچے اور پمفلٹ شائع کرتے ہیں، لوگوں میں اس کو پھیلاتے اور تقسیم کرتے ہیں کہ مسلمان آپؐ کے بتائے اور برتے ہوئے طریقۂ زندگی کو اپنائیں اور زندگی کے غلط رخ اور طریقوں سے اپنے کو بچائیں بلکہ اپنے ہم وطنوں کو بھی اپنے قول و عمل سے یہ باور کرائیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تعلیمات، آپ کا لایا ہوا یہ آبِ حیات، کسی خاص قوم اور طبقہ، کسی خاص ملک اور شہر کے لیے خاص نہیں ہے بلکہ آپ پوری انسانیت اور ساری دنیا کے لیے رحمت بن کر آئے ہیں جو بھی اس کو اپنائے گا اور آپ کی رحمۃ للعالمینی کے گھنے سائے میں آئے گا وہ اس کا لطف و مزا پائے گا اور اس کے دل کو وہ سکون و چین نصیب ہو گا جو کسی اور نظام حیات اور قانونِ حکومت سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

بڑے مبارک اور قابل قدر ہیں وہ حضرات اور انجمنیں جو ان جلسوں کا انتظام کرتے ہیں اور اس کے لیے فکرمند رہتے ہیں محنت و کوشش بھی کرتے ہیں اور اپنی حلال کمائی کا روپیہ بھی اس میں لگاتے ہیں، کتنا مبارک ہے یہ کام اور کیا کہنا ان حضرات کی خوش نصیبی کا جو اس کی فکر کرتے ہیں، مگر بعض وقت ایسا ہوتا ہے کہ بہت مبارک اور نہایت مفید کام ذرا سی غفلت و بے توجہی سے مفید تو کم مضر اور نقصان دہ زیادہ ہو جاتا ہے، وہ کام جو خالص ثواب و عبادت ہوتا ہے گناہ بن جاتا ہے۔ عید میلاد النبیؐ کے جلسہ میں بھی ہمارے بہت سے بھائی اسی کا شکار ہو جاتے ہیں، یہ فکر و غور کرنے کی بات ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کر نیکی برباد گناہ لازم کا شکار ہو جائیں۔

جب یہ جلسے آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور مقصد بعثت کو تازہ کرنے کے لیے کرتے ہیں تو اس کا خیال رکھیے کہ اس میں کوئی ایسی بات نہ ہو جو آپ کے ارشاد اور سنت کے خلاف ہو، آپ کو سادگی بہت پسند تھی اسی کا آپ حکم بھی فرماتے تھے اور اسراف و فضول خرچی سے تو نہایت سختی کے ساتھ منع فرماتے تھے، لیکن بعض جگہوں میں دیکھنے میں آتا ہے کہ سیرتِ پاک کے جلسوں میں جو نیک اور اچھے مقصد کے لیے کیے جاتے ہیں جس کا اوپر ذکر ہوا بڑی فضول خرچی سے کام لیا جاتا ہے دور دور تک بجلی کے قمقموں اور جھاڑ فانوس لگائے جاتے ہیں بہت عظیم الشان گیٹ بنائے جاتے ہیں بالکل میلا اور دیوالی کا سا سماں ہوتا ہے، اس روشنی اور جھاڑ فانوس میں ایک رات ہی

سرپرست

مولانا معین اللہ ندوی
نائب الظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ادارۂ تحریر

شمس الحق ندوی
محمود الازہار ندوی

مشاورت

مولانا نذر الحفیظ ندوی — مولانا سلمان حسینی ندوی
مولانا محمد خالد ندوی — مولانا عبداللہ حسنی ندوی
مولانا محمد رضوان ندوی — ڈاکٹر ہارون رشید

خط و کتابت و منی آرڈر کا پتہ

منیجر تعمیر حیات پوسٹ بکس نمبر 93
ندوۃ العلماء لکھنؤ 226007 (یوپی)

زرِ تعاون ملکی

سالانہ — پچاس روپے
فی شمارہ — ۲/۲۵

بیرون ملک فضائی ڈاک

ایشیائی۔ یورپی۔ افریقی و امریکی ممالک
۲۵ ڈالر

بیرونِ ملک بحری ڈاک

بحری ڈاک جملہ ۱۰ ڈالر

نوٹ:-

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں، اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہونچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ پچاس روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں۔

چندہ یا خط بھیجتے وقت اپنا خریداری نمبر لکھنا نہ بھولیں۔

نمبر یاد نہ ہونے کی صورت میں جس نام و پتہ پر پرچہ جاتا ہے اسکی صراحت منی آرڈر کوپن پر ضرور کریں

اور اگر چندہ نمبر وار ہیں تو بھی صراحت ضروری

درس حدیث

گناہ کبیرہ

ڈاکٹر محمد لقمان اعظمی ندوی — ترجمہ شمس الحق ندوی

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کیا میں تم لوگوں کو سب سے بڑے گناہ نہ بتادوں؟ ہم لوگوں نے عرض کیا اللہ کے رسول ضرور بتائیں! آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، والدین کی نافرمانی کرنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگائے ہوئے تھے، بیٹھ گئے پھر فرمایا: ہوشیار ہو جاؤ غور سے سنو اس کے بعد سب سے بڑا گناہ جھوٹ بات اور جھوٹی گواہی ہے، سن لو اس کے بعد جھوٹ بات اور جھوٹی گواہی ہے، برابر آپ یہی فرماتے رہے یہاں تک کہ ہم نے اپنے دل میں کہا کاش آپ خاموش ہو جاتے۔" (متفق علیہ)

یہ حدیث متمدن معاشرہ کو اسلامی معیار سے خدائی قدروں کے ذریعہ ترقی دینے اور آگے بڑھانے کی شکلوں میں سے ایک شکل، اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم اور اس کی وضاحت و بیان کی ایک کھلی ہوئی مثال ہے، اللہ تعالیٰ نے بہت سی آیات قرآنیہ میں اپنی عبادت کے بعد فوراً والدین کے ساتھ حسن سلوک کا ذکر فرمایا ہے، فرمایا:

"وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا" الآیہ

اور تمہارے پروردگار نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرتے رہو۔

اسی طرح سے اس کے برعکس جہاں اپنی ذات کے ساتھ شرک کو سب سے بڑا گناہ فرمایا وہیں فوراً والدین سے قطع تعلق کو بھی گناہ کبیرہ فرمایا کہ مسلمانوں کی یہ علامت و پہچان بن جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے، اور والدین سے قطع تعلق نہیں کرتے، اللہ پاک کے ساتھ کسی کو شریک کرنا ناپاکی اور گندگی ہے جو ضمیر کو بیمار اور دل کو داغدار کر دیتی ہے اور اس کی صفائی و طہارت کو اس طرح پراگندہ کر دیتی ہے، جس طرح نجاست کپڑے اور جگہ کو ناپاک و گندہ کر دیتی ہے، اسی لیے کہ شرک اللہ تعالیٰ پر جھوٹ اور افتراء ہے اور اللہ تعالیٰ ہر قسم کے جھوٹ سے ڈراتا ہے، فرمایا:

"فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ" الآیہ

تو بتوں کی پلیدی سے بچو اور اس جھوٹی بات سے اجتناب کرو۔

آیت قرآنی نے شرک کے بعد معاً جھوٹ کا ذکر کر کے اس جرم کی شناعت و پلیدگی کو خوب واضح کر دیا۔

اسی طرح سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث مذکور میں لوگوں کو ہر قسم کے شرک اور ہر قسم کے جھوٹ سے دور رہنے کا منشا ظاہر فرمایا ہے اور اپنے انداز کلام اور اسلوب بیان میں اس پر پورا زور دیا ہے، اور یہ تعلیم دی ہے کہ ہم سبھی توحید پر کاربند ہو جائیں ہر طرف سے کٹ کر اللہ تعالیٰ ہی کے ہوں اس کے ساتھ قطعاً کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اس کے بعد آپ بڑی قوت و سختی کے ساتھ اس کی خطرناکی کا نقشہ اس طرح کھینچتے ہیں کہ آپ ٹیک لگائے ہوئے تھے سیدھے بیٹھ گئے، اور فرمایا: "سن لو جھوٹی بات" اور اسی کو تین مرتبہ دہرایا، ظاہری الفاظ اور معانی سے یہ واضح ہے کہ ایک صورت تو یہ کہ مسلمان جھوٹی گواہی اس لیے نہیں دے سکتا کہ جھوٹی گواہی سے دوسرے کا حق مارا جاتا ہے اور اس میں ظالم کی مدد ہوتی ہے

(باقی ص ۱۳ پر)

مومن کے پیش نظر ہر عمل میں رضائے الٰہی ہونی چاہیے

دین اسلام دین فطرت ہے اس میں ہر اس چیز سے روکا اور منع کیا گیا ہے جو لایعنی اور بے سود ہے انھیں چیزوں میں فضول خرچی اور اسراف بھی ہے جس سے بہت سختی سے روکا گیا ہے حتیٰ کہ فضول خرچی کرنے والوں کو قرآن مجید نے شیطان کے بھائی سے تعبیر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ"۔ بیجا خرچ کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔

اور ہمارا حال یہ ہے کہ دنیاوی کاموں کا تو ذکر ہی کیا جو کام دین کے نام پر کرتے ہیں اس میں بھی اس قدر اسراف و فضول خرچی ہوتی ہے کہ اگر ہم ذرا غور سے کام لیں تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ یہ خرچ ثواب کے بجائے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے۔ ذیل میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عبارت ملاحظہ ہو جو بڑی چشم کشا ہے۔

اگر واقعی کوئی کام کرنا ہے تو کسی چیز میں شان و شوکت کا خیال مت کرو۔ اس وقت عام طور پر مجالس اسلامیہ کو آرائش و زیبائش سے بالکل تھیٹر بنا دیا جاتا ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ غیر قوموں کے مقابلہ میں ہم کو ان سے پیچھے نہیں رہنا چاہیے۔

اے حضرات! غیر قومیں کہ جن کے سامنے آپ یہ ظاہر کر رہے ہیں آپ ان کا مقابلہ اس میں نہیں کر سکتے۔ ان کے برابر دولت آپ کے پاس کہاں ہے۔ اگر وہ بھی ضد باندھ لیں تو یقیناً آپ ان کے مقابلہ میں شرمندہ ہوں گے۔ اس لیے آپ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی پیروی کیجئے۔ اور کفار کا یہ نفسانی مقابلہ چھوڑ دیجئے۔

سلف کا طرز یہ تھا کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بیت المقدس کے نصاریٰ کے سامنے پیش کرنے کے لیے گئے آپ پھٹے ہوئے کپڑے پہنے ہوئے تھے عرض کیا گیا کہ لباس بدل لیجئے تاکہ کفار کی نظر میں عزت ہو۔ فرمایا نحن قوم اعزنا اللّٰہ بالاسلام "ہم وہ قوم ہیں کہ خدا نے ہمیں اسلام سے عزت دی" لباس سے نہیں دی۔

جب بیت المقدس کے قریب پہونچے تو پھر سب نے اصرار کیا کہ جوڑا اور سواری بدل لیجئے آپ نے مسلمانوں کا دل توڑنا گوارہ نہ کیا اور منظور فرمالیا ایک مانگے کا گھوڑا اور مانگے کا جوڑا لایا گیا۔ یہ امیر المومنین ہیں جن کے پاس ایک اچھا جوڑا بھی نہ نکلا۔ اللہ اکبر! کیا سادگی تھی۔ خیر گھوڑے پر سوار ہو کر دو قدم چلے ہوں گے کہ گھوڑا فخر اور ناز سے مچل مچل کے چلنے لگا آپ اسے روک کر فوراً اتر پڑے اور فرمایا تمہارا بھائی عمر ہلاک ہو گیا ہوتا کیونکہ گھوڑے پر بیٹھ کر وہ دل ہی نہیں رہا۔ چنانچہ پھر اپنی پہلی ہی سادہ حالت میں پیش کیے گئے نصاریٰ نے جب آپ کو دیکھا فوراً دروازہ کھول دیا۔ اللہ اکبر! یہ تھی خلوص اور سادگی کی برکت مسلمانوں کو اس حالت سے عجیب نہ ہونی چاہیے۔ صحابہ کے طرز کو دیکھئے مدینہ کی سادی مسجد میں ٹوٹے ہوئے بوریوں پر بیٹھے ہیں اور حوصلا اس قدر بلند ہے کہ سلطنت روم و فارس کی قسمت کے فیصلہ کا مشورہ کر رہے ہیں۔ حضرات یہ نمونہ تھا کام کرنے والوں کا یہ فیشن یہ وضع اور یہ شان و شوکت ان حضرات میں کہاں تھی۔

یہود اپنی زینتیں دکھلائیں نصاریٰ اپنی زینتیں دکھلائیں ہنود اپنی زینتیں دکھلائیں اور ایک مسلمان پھٹا ہوا کرتہ پہن کر نکلے گا تو خدا کی قسم سب کی رونقوں کو مات کر دے گا۔ ارے صاحب خدا نے آپ کو وہ حسن دیا ہے کہ آپ کو زینت کی حاجت ہی نہیں۔

ارے صاحب اسلامی جلسوں کے لیے یہ حسن اور شرف کیا کم ہے کہ وہ اسلام کی طرف حقیقی نسبت سے منسوب ہے، اسلامی مجلس تو ایسی ہو کر دور سے دیکھ کر خبر ہو جائے کہ یہ مجلس اسلامی ہے یہ کسی ناچ رنگ کی محفل یا تھیٹر کا اسٹیج نہیں ہے۔ باہر سے اسلامی مجلس بالکل سادہ ہو اندر پہونچو تو صحابہ کا رنگ جھلکتا ہو۔ یہ نہ ہو کہ بازاری عورتوں کی طرح گلے میں پھولوں کے ہار پڑے ہوں لباس نہایت پر تکلف اور ایک ایک چیز اور ہر ہر ادا سے رذسا کا سا تجبر نمایاں ہو۔ اور حقیقت کا پتہ نہیں۔ اور مشاہدہ شاہد ہے کہ زیب و زینت وہ شخص کرتا ہے جس کے پاس مال ہے کمال نہیں ورنہ یہ بجائے مال کے اپنے کمال کا اظہار کرتا اور اب کمال نہ ہونے سے مال کا اظہار کر رہا ہے۔

(باقی ص ۱۳ پر)

ایک ایک شہر میں کئی کئی لاکھ روپیہ صرف روشنی میں خرچ ہو جاتا جو رسول پاکؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی طرح پسند نہیں، پھر یہ سجاوٹ ایک میلا کی شکل اختیار کرتی ہے دوکانیں بھی ہوتی ہیں تلاوت کلام پاک اور نعتیہ کلام کی ریکارڈنگ ہوری ہوتی ہے، عورتیں بچے مرد سب تماشائی کی حیثیت سے ادھر ادھر تفریح کر رہے ہوتے ہیں، اس بھیڑ بھاڑ اور میلے میں تلاوت کلام پاک اور نعت کی طرف کسی کا دھیان بھی نہیں جاتا ہے بس ایک آواز گونج رہی ہوتی ہے، اس شور و غل میں قرآن کریم اور نعت پاک کا کیسٹ چلانا کیا گناہ نہیں کہ تلاوت ہو رہی ہے اور کوئی سن نہیں رہا ہے، یہ تو ہماری نادانی سے بالکل وہ سماں بن جاتا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام تلاوت کلام پاک کرتے تھے تو کفار شور و غل کرتے، تالیاں اور سیٹیاں بجاتے تھے۔ اس کے علاوہ ہماری مائیں اور بہنیں جس بے باکی کے ساتھ گھومتی اور تماشا دیکھتی ہیں کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پاک کو اس سے خوشی ہوگی اور کیا ہم اس سے دوسری قوموں کے سامنے کوئی اچھا اور قابل تقلید نمونہ پیش کر سکیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں تو نماز جیسی اہم اور دن رات میں پانچ مرتبہ ادا کی جانے والی عبادت تک میں عورتوں کو مسجد میں جانے سے روکا گیا ہے کہ مبادا فتنہ پیدا ہو، اور ہم آپ کی ولادت باسعادت کے دن اپنی ماؤں اور بہنوں کو اس طرح بے باکانہ گھمائیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے میلا لگائیں۔ ہم ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر ٹھنڈے دماغ سے سوچیں کہ اس طرح سے ہم میلاد کا حق ادا کرتے ہیں اور وہ فائدہ اٹھاتے ہیں جو اوپر شروع مضمون میں ذکر کیا گیا، یا اس سے میلاد کی بے حرمتی ہوتی ہے اور میلاد سے زیادہ اس میں دسہرہ اور دیوالی سے مشابہت پائی جاتی ہے۔ اس ماحول میں ہمارے جو علماء اور واعظین تقریریں کر رہے ہوں گے اور آپؐ کی تعلیمات بیان کر رہے ہوں گے وہ کتنے غور سے سنی جائیں گی اور دل ان کا کتنا اثر قبول کریں گے؟ مزید برآں ہم اس اسراف و فضول خرچی کے بھی بری طرح مرتکب ہو رہے ہیں جس کی قرآن کریم میں بڑی شناعت و برائی بیان کی گئی ہے، یہاں تک کہ بے ضرورت و بے محل خرچ کرنے والوں کو شیطان کا بھائی قرار دیا گیا ہے فرمایا:۔

"إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا" (بنی اسرائیل۔۲۷)

فضول خرچی کرنے والے تو شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے پروردگار (کی نعمتوں) کا کفران کرنے والا (یعنی ناشکرا) ہے۔

مال خدا کی بڑی نعمت ہے جس سے عبادت میں دلجمعی ہوتی ہے، بہت سی اسلامی خدمات اور نیکیاں کمانے کا موقع ملتا ہے، اس کو بلا ضرورت و بے محل خرچ کرنا، ناشکری ہے، جو شیطان کے وساوس و بہکاوے سے ہوتی ہے اور انسان ناشکری کر کے شیطان کے مشابہ ہو جاتا ہے، جس طرح شیطان نے خدا کی بخشی ہوئی قوتوں کو نافرمانی اور انسانوں کو گمراہ کرنے میں لگایا۔

شیطان بہت دور کی کوڑی لاتا ہے اور انسانوں کو گمراہ کرنے اور پھانسنے کے لیے بڑا باریک جال بچھاتا ہے کہ آدمی اس کو محسوس تک نہیں کر پاتا اسی لیے قرآن کریم نے کھول کر بیان کر دیا۔

"إِنَّهُ يَرَاكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ"

وہ اور اس کے بھائی تم کو ایسی جگہ سے دیکھتے ہیں جہاں سے تم ان کو نہیں دیکھ سکتے۔ (اعراف) ۲۷۔

مثلاً یہ میلاد ہی کا موقع ہے شیطان تو یہ سمجھاتا ہے کہ واہ دیکھتے نہیں دوسرے مذاہب کے لوگ اپنے تہواروں دسہرہ، دیوالی، نوروز وغیرہ میں کیسا جشن مناتے ہیں اور تم اپنے نبی کی یاد اس طرح مناؤ کہ نہ روشنی نہ چراغاں، تمہارے نبی تو بہت اونچے ہیں تم کو اوروں سے بڑھ کر یہ کرنا چاہیے۔ یہاں سے چل کر اس کو میلہ ریکارڈنگ اور ماں، بہنوں کے بے محابہ گھومنے تک پہنچا دیا۔

عجب نہیں یہ شیطان خطباء اور واعظین کو اسٹیج پر بیٹھا دیکھ کر مسکراتا اور کہتا ہو کہ تم وعظ کہتے رہو ہم ان کو کہیں اور ہانکے لیے جا رہے ہیں، میلاد کے جلسوں کو اس نے بالکل اسی طرح بنا دیا جیسے بنی اسرائیل نے دوسروں کے مشرکانہ جشن کو دیکھ کر، چہل پہل دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کر ڈالا "قَالُوا يَا مُوسَى اجْعَل لَّنَا إِلَٰهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ"

(بنی اسرائیل) کہنے لگے کہ موسیٰؑ جیسے ان لوگوں کے معبود ہیں ہمارے لیے بھی ایک معبود بنا دو۔ (اعراف ۱۳۸)

اے موسیٰ آپ ہمارے لیے ایسا خدا بنا دیجئے جس کی پوجا پاٹ میں یہ لطف و مزہ آئے، یہ رونق اور چہل پہل ہو، کہیں گانا بجانا ہو رہا ہو، کہیں ناچ رنگ، عورت مرد سب بن ٹھن کر نکل رہے ہوں مل جل کر جشن منا رہے ہوں۔

علاوہ ازیں اس فضول خرچی کو ذرا ہم اس طرح دیکھیں کہ ہمارے کتنے غریب بھائی ہیں جو ہماری مدد اور تعاون کے محتاج ہیں، کتنے یتیم بچے ہیں جن کا کوئی پرسان حال نہیں ہے، کتنی غریب بچیاں گھروں میں بیٹھی ہیں، غریب ماں باپ شادی کا سامان نہیں کر سکتے، غریب محلّوں اور گاؤں میں کوئی مکتب اور مدرسہ نہیں ہے جہاں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کی تعلیم دی جائے، بچوں کی تربیت ہو، ماں باپ بچوں کی تعلیمی ضرورتوں کو نہ پورا کر سکتے ہوں تو اس کا انتظام کیا جائے۔

دل پر ہاتھ رکھ کر بتایئے کہ بہت سے دور افتادہ علاقوں میں اکثریت کے ساتھ رہنے والے ہمارے ہزاروں بھائی علم نہ ہونے اور غربت کی وجہ سے ارتداد کا شکار ہو رہے ہیں اور نبیؐ کی امت ہی سے نکلتے جا رہے ہیں۔ ان ساری ضرورتوں اور کاموں کو چھوڑ کر جہاں خرچ کرنے کی فضیلت اور اجر و ثواب کا حساب نہیں لگایا جا سکتا، ہم میلاد النبی کے جلسوں کی روشنی اور سجاوٹ میں لاکھوں روپیہ خرچ کر دیں کیا یہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند آئے گا؟ اگر ایسا نہیں تو پھر یہ کتنے گھاٹے کا سودا ہوا بجائے ثواب کے ہم نے امت کو میلہ ٹھیلہ کے ایک نئے فتنہ میں مبتلا کر دیا۔

ابھی رمضان المبارک میں علماء کرام اور ہمارے اور بہت سے قائدین کی طرف سے اعلانات ہوئے تھے کہ مسلمان اس سال عید سادگی کے ساتھ منائیں جب کہ عید میں نئے جوڑوں اور خورد و نوش کا اہتمام ذرا زیادہ کر دیا جاتا ہے سجاوٹ و روشنی کا ایسا بے تحاشا کوئی خرچ نہیں ہوتا۔ تو اب عید میلاد کے موقع پر ہم کو بہت احتیاط کرنا چاہیے کہ کہیں بلا ضرورت ہماری رقم خرچ ہو بلکہ بڑی مبارک اور خدا اور اس کے رسول کو راضی اور خوش کرنے والی اور خیر و برکت لانے والی یہ بات ہوگی کہ روشنی میں ہم جو رقم صرف کرتے اس کو اپنے شہر کے غریبوں محتاجوں یتیموں اور بیواؤں پر صرف کریں، ہمارے جو بھائی غربت کی وجہ سے کوئی کاروبار نہیں کر سکتے ان کو کسی کاروبار میں لگا دیں ایسا کرنے سے کتنے دل خوش ہوں گے کتنے غم کے ماروں کو چین نصیب ہوگا، اور پھر ان کے جسم کے رونگٹے رونگٹے سے جو دعا نکلے گی وہ کتنی خیر و برکت لائے گی اور ہمارے میلاد النبیؐ کے جلسوں کو کتنا مفید بنائے گی دوسری قوموں کے سامنے اس کی کیسی حسین تصویر پیش کرے گی یہ قیاس و گمان سے باہر ہے۔

کاش ہم ایسا کر سکتے۔ کاش ہم ان کاموں کی طرف جھکتے اور مڑتے جن سے ذلت و نکبت کی ماری ہوئی امت مسلمہ کے دن پھر لیتے اور وہ اس مقام پر آجاتی جس کے لیے وجود میں لائی گئی تھی۔

"كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ"

مومنو! جتنی امتیں (یعنی قومیں) لوگوں میں پیدا ہوئیں تم ان سب سے بہتر ہو کہ نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو اور خدا پر ایمان رکھتے ہو۔ آل عمران) ۱۱۰

دعائے مغفرت

پروفیسر محمد اجتبا ندوی صاحب (صدر شعبہ عربی و فارسی الہ آباد یونیورسٹی الہ آباد) کے خسر محترم جناب حاجی سید عبد الجبار صاحب (ریٹائرڈ ریلوے کنٹرولر) کا ان کے آبائی وطن بگرا میر، ضلع بستی میں ۲۳ رجولائی ۱۹۹۳ء کو انتقال ہو گیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

خوبصورت و دیدہ زیب زیورات کی
مشہور دوکان
شہاب الدین خاں جولرس
بساطی مساجد کے سامنے
چوک لکھنؤ۔ فون 268584

سیرت کا پیغام

موجودہ دور کے مسلمانوں کے نام

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

سب جانتے ہیں کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی دنیا کچھ ویران اور کوئی قبرستان نہ تھی، زندگی کا چکر جس طرح اس وقت چل رہا ہے بہت تھوڑے سے فرق کے ساتھ اس وقت بھی چل رہا تھا، سارے کاروبار آج کی طرح ہو رہے تھے، تجارت بھی تھی، زراعت بھی تھی، اور حکومتوں کا نظام چلانے والے اور ان کی مشنری میں فٹ ہونے والے بھی موجود تھے، اس وقت کی دنیا میں لوگ اس زندگی پر بالکل قانع اور مطمئن تھے، اور ان کو اس میں کسی ترمیم یا اصلاح یا تبدیلی کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی تھی۔

لیکن اللہ تعالیٰ کو اپنی زمین کا نقشہ اور دنیا کی یہ حالت بالکل پسند نہ تھی، حدیث میں اس زمانہ کے متعلق ہے:۔

"ان الله نظر الى اهل الارض فمقتهم عربهم وعجمهم الا بقايا من اهل الكتاب"

(اللہ تعالیٰ نے اہل زمین پر نظر ڈالی اس نے روئے زمین کے تمام باشندوں کیا عرب کیا عجم سب کو بے حد ناپسند فرمایا اور وہ ان سے بیزار ہوا، سوائے اہل کتاب کے چند افراد کے)

ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور آپؐ کے ساتھ ایک پوری قوم کے ظہور کا سامان کیا ظاہر ہے کہ ان کو کسی ایسے مقصد کے لیے پیدا کیا تھا، جو دوسری قوموں سے پورا نہیں ہو رہا تھا جو کام وہ سب پورے انہماک اور شوق کے ساتھ انجام دے رہے تھے، اس کے لیے ظاہر ہے کہ کسی نئی امت کو پیدا کرنے کی ضرورت نہ تھی، اور انسانی زندگی کے اس پرسکون سمندر میں اس نئے تلاطم کی حاجت نہ تھی، جو مسلمانوں کے وجود سے ظہور میں آیا اور جس نے زمین میں ایک زلزلہ ڈال دیا، اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم کو پیدا کیا تو فرشتوں نے عرض کیا کہ تسبیح و تقدیس کے لیے ہم نیازمند بہت کافی تھے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس کے لیے اس خاکی پتلا کو پیدا کرنے کی ضرورت سمجھ میں نہیں آئی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"انی اعلم ما لا تعلمون"

گویا اشارہ فرمایا (اور آگے چل کر واضح کر دیا) کہ آدمؑ صرف اسی کام کے لیے پیدا نہیں ہوئے جو ملائکہ انجام دے رہے تھے ان سے خدا کو کچھ اور کام لینا ہے۔

اگر مسلمان صرف تجارت کے لیے پیدا کیے جا رہے تھے تو مکہ کے ان تاجروں کو جو شام و یمن کا تجارتی سفر کیا کرتے تھے، اور مدینہ کے ان بڑے یہودی سوداگروں کو جن کے بڑے بڑے گڑھ بنے ہوئے تھے، یہ پوچھنے کا حق تھا کہ اس خدمت کے لیے ہم گنہگار کیا کم ہیں کہ اس کے لیے ایک نئی امت پیدا کی جا رہی ہے، اگر زراعت مقصود تھی تو مدینہ اور خیبر کے، طائف اور نجد کے، شام اور یمن اور عراق کے کاشت کاروں اور زراعت پیشہ آبادی کو یہ پوچھنے کا حق تھا کہ کاشت کاری اور زراعت میں ہم محنت و کوشش کا کون سا دقیقہ اٹھا رکھتے ہیں کہ جس کے لیے ایک نئی امت کی بعثت ہو رہی ہے، اگر دنیا کی چلتی ہوئی مشنری میں صرف فٹ ہونا تھا، اور حکومتوں کے نظم و نسق اور دفتری کاروبار کو معاوضے کر چلانا تھا تو روم و ایران کے کارپردازان سلطنت کو یہ کہنے کا حق تھا کہ اس فرض کی انجام دہی کے لیے ہم بہت ہیں، اور ہمارے بہت سے بھائی بے روزگار ہیں، اس کے لیے نئے امیدواروں کی کیا ضرورت ہے۔

لیکن در حقیقت مسلمان بالکل بھیجے ایک نئے اور ایسے کام کے لیے پیدا کیے جا رہے تھے، جو دنیا میں کوئی انجام دے رہا تھا، اور نہ دے سکتا تھا، اس کے لیے ایک نئی امت ہی کی بعثت کی ضرورت تھی چنانچہ فرمایا:۔

"كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ" (آل عمران۔۱۱۰)

تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی، بھلائی کا حکم دینے اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔

اسی مقصد کی خاطر لوگ وطن سے بے وطن ہوئے اپنے کاروبار کو نقصان پہنچایا، اپنا عمر بھر کا اندوختہ لٹایا، اپنی جمی جمائی تجارتوں پر پانی پھیرا، اپنی کھیتی باڑی اور باغات کو ویران کیا، اپنے عیش و تنعم کو خیرباد کہا، دنیا کی تمام کامیابیوں اور خوش حالیوں سے آنکھیں بند کر لیں، اور زریں موقع کھو دیے، پانی کی طرح اپنا خون بہایا اور اپنے بچوں کو یتیم اور اپنی عورتوں کو بیوہ کیا، ان مقاصد و مشاغل کے لیے جن پر آج مسلمان قانع نظر آتے ہیں اس ہنگامہ آرائی اور اس محشر خیزی کی ضرورت نہ تھی، اس کے حصول کا راستہ تو بالکل بے خطر اور ہموار تھا اور اس راستہ پر معاصر دنیا سے کوئی بڑی کشمکش اور تصادم نہیں تھا اور نہ اہل عرب اور دنیا کی دوسری قوموں کے لیے وجہ شکایت تھی، انھوں نے تو بار بار انھیں چیزوں کی پیش کش کی (جو آج عام مسلمانوں کا منتہا ہے) اور بار بار اسلام کے داعی نے ان کو ٹھکرایا، دولت و سرداری، عیش و عشرت اور راحت و تن آسانی کی بڑی پیش کش کو نامنظور کیا، پھر اگر مسلمان کو اسی سطح پر آجانا تھا جس پر زمانہ بعثت کی تمام کافر قومیں تھیں اور اس وقت بھی دنیا کی تمام غیر مسلم آبادی ہے، اور زندگی کے انھیں مشاغل میں منہمک اور سراپا غرق ہو جانا تھا، جن میں اہل عرب اور رومی و ایرانی ڈوبے ہوئے تھے، اور انھیں کامیابیوں کو اپنا منتہائے زندگی بنا لینا تھا جن کو ان کے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بہترین موقع پر رد کر چکے تھے تو یہ اسلام کی ابتدائی تاریخ پر پانی پھیر دینے کے مرادف ہے اور اس بات کا اعلان ہے کہ انسانوں کا وہ بیش قیمت خون جو بدر و حنین کا احزاب اور قادسیہ و یرموک میں بہایا گیا، بے ضرورت بہایا گیا۔

آج اگر سرداران قریش کو کچھ بولنے کی طاقت ہو تو مسلمانوں کو خطاب کر کے وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ تم جن چیزوں کے پیچھے سرگرداں ہو اور جن چیزوں کو تم نے اپنا حاصل زندگی سمجھ رکھا ہے انھیں چیزوں کو ہم گنہگاروں نے تمہارے پیغمبر (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے سامنے پیش کیا تھا، وہ تمام چیزیں اس وقت خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر حاصل ہو سکتی تھیں تو گویا ساری جد و جہد کا حاصل اور ان تمام قربانیوں کی قیمت وہ طرز زندگی ہے، جس کو تم نے اختیار کیا ہے، اور زندگی و اخلاق کی وہی سطح ہے جس پر تم نے قناعت کر لی ہے، اگر ان سرداران قریش میں سے جو اسلام کے حریف تھے، کسی کو یہ جرح کرنے کا موقع ملے تو آج ہمارا کوئی بڑے سے بڑا لائق وکیل بھی اس کا تشفی بخش اور مسکت جواب نہیں دے سکتا اور امت کے لیے اس پر شرمندہ ہونے کے سوا کوئی چارہ نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں کے متعلق یہی خطرہ تھا کہ وہ دنیا میں پڑ کر اپنا مقصد نہ بھول جائیں، اور دنیا کی عام سطح پر نہ آجائیں، آپ نے وفات کے قریب جو تقریر فرمائی اس میں مسلمانوں کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا:

"ما الفقر اخشى عليكم ولكني اخشى ان تبسط عليكم الدنيا كما بسطت على من كان قبلكم فتنافسوها كما تنافسوها فتهلككم كما اهلكتهم" (بخاری و مسلم)

مجھے تمہارے بارے میں کچھ فقر و افلاس کا خطرہ نہیں ہے، مجھے تو اس کا اندیشہ ہے کہ کہیں دنیا میں تم کو بھی وہی کشائش نہ حاصل ہو جائے جیسی تم سے پہلے لوگوں کو حاصل ہوئی تو تم بھی اسی طرح اس میں حرص و مقابلہ کرو جیسے انھوں نے کیا تو تم کو بھی اسی طرح ہلاک کر دے جیسے ان کو ہلاک کیا۔

مدینہ کے انصاریوں نے جب اس بات کا ارادہ کیا کہ جہاد کی مشغولیت اور اسلام کی جد و جہد سے کچھ دنوں کی فرصت حاصل کر کے اپنے باغوں کھیتوں اور کاروبار کو درست کر لیں اور کچھ مدت کے لیے صرف اپنے کاروبار میں مشغول ہونے کی اجازت حاصل کر لیں، یہ خطرہ بھی ان کے دل میں نہیں گزر سکتا تھا کہ وہ ارکان دین نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ سے بھی کچھ دنوں کے لیے اپنے کاروبار کی دیکھ بھال کے لیے اپنے آپ کو مستثنیٰ کرا لیں، لیکن اسلام کی عملی جد و جہد اور دین کے فروغ اور اس کے غلبہ کی کوشش سے ان کی اسی عارضی یکسوئی کو بھی

(باقی ص ۹ پر)

مسلمانوں کیلئے اہم انتباہ

افادات ـــــــــــ ڈاکٹر عبد الحی عارفیؒ

نوٹ:۔ ذیل میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے جلیل القدر خلیفہ جناب ڈاکٹر عبد الحیؒ کی مجلس کے ملفوظات و وعظ کا خلاصہ ہدیۂ ناظرین ہے، جسکو بڑے غور و توجہ سے پڑھنے کی ضرورت ہے۔

فرمایا اس وقت زندگی کے کسی شعبہ پر بھی نظر ڈالئے ہر فرد پر کچھ ایسی بے حسی طاری ہے کہ کسی کو اپنے مآلِ کار کا ہوش نہیں۔ ہر شخص کے ذمہ اپنے اپنے مشاغل ہیں۔ وہ دیندار ہوں یا دنیا دار۔ مگر سب کے ساتھ ایک بے حسی کا عالم ہے۔ میں سب کو تو نہیں کہتا مگر اکثر و بیشتر کی یہی حالت ہے، تجارت گاہوں میں، دفاتر میں مختلف اداروں میں لوگ اپنی اپنی دھن میں سرگرداں ہی رہتے ہیں۔ قرب قیامت کی علامات میں یہ بھی ہے کہ ایسا وقت آجائے گا کہ لوگ اپنی زندگی کے اندر ایسے مدہوش ہو جائیں گے کہ ان کو یہ ہوش ہی نہ ہوگا کہ کب صبح ہوئی اور شام کب ہوئی اور کس طرح ہوئی۔ جائز طریقہ سے ہوئی کہ ناجائز طریقہ سے حلال کی کمائی ہوئی کہ حرام کی ہوئی۔ انسانوں کی طرح ہوئی کہ حیوانوں کی طرح ہوئی۔ یہ احساس ہی مٹ جائے گا۔ اس وقت اب ایسے ہی آثار دیکھ رہا ہوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنی علاماتِ قیامت احادیث میں ارشاد فرمائی ہیں وہ کچھ تو برملا پائی جا رہی ہیں اور جن کا ابھی وقت نہیں آیا وہ بھی آیندہ ظاہر ہوتی رہیں گی۔

قربان جائیے اُس نبی برحق علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کہ جس نے دین کی یا دنیا کی کوئی بھی بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی ضرورت اور بات ایسی باقی نہیں چھوڑی جس کے متعلق صاف اور کھلے الفاظ میں احکام نہ بیان فرما دیئے ہوں اور ان کے منافع اور نقصان نہ بتا دیئے ہوں۔ اگر مسلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا رسول سمجھتے ہیں تو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس قسم کے اعمال پر جس قسم کے عذاب اور پریشانیوں کا مرتب ہونا ارشاد فرمایا ہے تو وہ یقیناً ہو کر رہیں گے۔ مگر ہم اپنی مدہوشی کی وجہ سے ان ارشادات نبویہ کی طرف دھیان دینے کی فرصت اور ہوش کہاں؟

علامات قیامت کے سلسلہ میں ایک حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "اس امت میں ایک جماعت رات کو کھانے پینے اور لہو لعب میں مشغول ہوگی اور صبح کو بندر اور سُور کی صورتوں میں تبدیل ہو جائے گی، اور بعض لوگوں کو زمین میں دھنس جانے کا عذاب ہوگا لوگ کہیں گے کہ آج رات فلاں خاندان دھنس گیا اور فلاں گھر دھنس گیا۔ اور بعض لوگوں پر آسمان سے پتھر برسائے جائیں گے جیسے کہ قوم لوط پر برسائے گئے تھے۔ اور بعض لوگ آندھی سے تباہ ہوں گے۔ اور یہ سب کیوں ہوگا۔ ان حرکتوں کی وجہ سے شراب پینے کی وجہ سے ریشمی لباس پہننے کی وجہ سے۔ گانے والیاں رکھنے کی وجہ سے سود کھانے کی وجہ سے اور قطع رحمی کی وجہ سے۔ (مشکوٰۃ)

علامات قیامت میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ عام کساد بازاری ہوگی زنا کی کثرت ہوگی غیبت پھیل جائے گی، مالداروں کی عظمت کی جائے گی، منکرات کرنے والوں کا غلبہ ہوگا اور تعمیرات کی کثرت ہوگی، نیز فحش گوئی بدخلقی پڑوسیوں کے ساتھ بُرا برتاؤ، نیز یہ بھی علامات قیامت میں سے ہے کہ مرگ ناگہانی کثرت سے ہونے لگے گی، جو آجکل عام طور سے ہونے لگی ہے جس کو دل کی حرکت بند ہو جانا (HEART FAILURE) کہتے ہیں۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ نیک اعمال میں جلدی کرو مبادا ایسے فتنے واقع ہوں جو اندھیری رات کی طرح ہوں کہ حق ناحق کا پہچاننا مشکل ہو جائے۔ ان میں آدمی صبح کو مسلمان ہوگا اور شام کو کافر، شام کو مسلمان ہوگا تو صبح کو کافر ہوگا، معمولی سے دنیوی نفع کے عوض دین کو فروخت کر دیگا۔ (مشکوٰۃ)

ایک حدیث میں ارشاد ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کو اسلام میں فوجوں کی فوجیں داخل ہو رہی ہیں لیکن ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ اسی طرح فوجیں کی فوجیں اسلام سے خارج ہونے لگیں گی۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس امت کے زمانہ میں خسف ہوگا یعنی آدمیوں اور مکانوں کا زمین میں دھنس جانا اور مسخ ہوگا کہ آدمی کتے اور بندر وغیرہ کی صورتوں میں ہو جائیں گے اور قذف ہوگا کہ آسمان سے پتھر برسنے لگیں گے۔ کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہم اس حالت میں بھی ہلاک ہو سکتے ہیں کہ ہم میں صلحاء موجود ہوں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں، جب خباثت کی کثرت ہو جائے گی۔

اور یہ ارشاد تو متعدد احادیث میں مختلف عنوانات سے وارد ہوا ہے کہ نیک کاموں کا آپس میں ایک دوسرے کو حکم کرتے رہو اور بری باتوں سے روکتے رہو ورنہ حق تعالیٰ شانہٗ تم پر اپنا عذاب مسلط کر دیں گے پھر تم اس سے دعائیں کروگے تو تمھاری دعائیں بھی قبول نہ ہونگی (مشکوٰۃ)

ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو قوم بدعہدی کرتی ہے اس میں آپس میں خونریزی ہوتی ہے اور جس قوم میں فحش کی کثرت ہوتی ہے اس میں اموات کی کثرت ہوتی ہے اور جو جماعت زکوٰۃ کو روک لیتی ہے اس سے بارش رک جاتی ہے۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جن لوگوں میں رشوت کی کثرت ہوتی ہے ان کے دلوں پر رعب کا غلبہ ہوتا ہے اور وہ ہر شخص سے مرعوب رہتے ہیں۔ (مشکوٰۃ)

ایک حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ چند آدمیوں کے کسی ناجائز کام کے کرنے سے عام عذاب نازل نہیں فرماتا۔ جب تک کہ ان لوگوں کے سامنے وہ کام کیا جائے اور وہ اس کے روکنے پر قادر ہوں اور نہ روکیں، اور جب یہ نوبت آجائے تو پھر خاص و عام سب ہی کو عذاب ہوتا ہے۔ (مشکوٰۃ)

اور یہی اسباب ہیں جن کی وجہ سے آجکل نئی نئی آفات اور حوادث روزمرہ کے واقعات ہیں نئے نئے امراض، نئے نئے مصائب ایسے روز افزوں ہیں جو پہلے کبھی برسوں میں بھی سننے میں نہ آتے تھے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب میری امت اپنے علماء سے بغض رکھنے لگے اور بازاروں کی تعمیر کو نمایاں کرنے لگے اور دراہم (روپیہ) جمع کرنے پر نکاح کرنے لگے (یعنی نکاح کرنے کیلئے بجائے دیانت، تقویٰ، دینداری کے مالدار ہونے کی رعایت ملحوظ ہو) تو حق تعالیٰ شانہٗ ان پر چار چیزیں مسلط فرمائینگے ١۔ زمانہ قحط، ٢۔ اور بادشاہ کا ظلم ٣۔ اور حکام کی خیانت، ٤۔ دشمنوں کا حملہ۔ (مشکوٰۃ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علاماتِ قیامت میں یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ ہر ذی رائے اپنی رائے کو سب سے اچھا سمجھے گا جس کا آجکل ظہور پوری طرح ہو رہا ہے۔ ہر شخص یہی سمجھتا ہے بزعم خود "ہمچو من دیگرے نیست" کہ جو میری سمجھ میں آیا ہے وہی درست اور ٹھیک ہے چاہے کوئی بڑا کہے یا چھوٹا۔

الغرض سیکڑوں روایات ہیں جن میں صاف طور سے نیک اعمال پر دارین کی فلاح اور بدعملی پر دارین کے نقصان تفصیل سے بتا دیئے گئے ہیں مقصود ان چند احادیث کے ذکر کرنے سے یہی ہے کہ اگر ہمارے نزدیک حضور مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سچے ہیں تو پھر ہم لوگوں کا اپنے اوپر کتنا صریح ظلم ہے کہ دیدہ و دانستہ ہم خود اپنے افعال سے ہلاکت میں پڑتے ہیں نقصان اور خسارہ والے امور اختیار کرتے ہیں اور کام کے انجام پر نظر نہیں کرتے۔

سب سے پہلے آپ اس بات پر توجہ کرلیں کہ اسوقت دنیا جن آلام و آزار میں مبتلا ہے، اور جن کا ہم کو کسی نہ کسی درجہ میں علم ہوتا رہتا ہے۔ اس کے متعلق ہمارے کیا تاثرات ہیں؟!

دیکھئے! ہم میں سے اکثر و بیشتر روزانہ اخبار پڑھتے ہیں پہلے صفحہ سے لیکر آخری صفحہ تک کیا ہوتا ہے؟ فلسطین میں یہ قتل عام ہو رہا ہے، عراق اور ایران میں کیسی خونریزیاں ہو رہی ہیں، افغانستان میں مسلمانوں کی کیسی تباہی و بربادی جان و مال کی ہو رہی ہے ہندوستان میں کیسے مسلم کش فسادات ہو رہے ہیں جہاں بغیر کسی داد فریاد کے مسلمانوں کا خون بہایا جا رہا ہے، روزمرہ یہ خبریں اخباروں میں آپ پڑھتے ہیں یا نہیں؟

اس کے علاوہ اور سانحات و حادثات کی خبریں برابر شائع ہوتی رہتی ہیں۔ آج یہاں بس گر گئی، اتنے افراد ہلاک ہوگئے۔ فلاں جگہ ریل کا حادثہ ہو گیا اتنے آدمی مر گئے کہیں ہوائی جہاز گر گیا یا جہاز کا اغوا ہو گیا۔ آج فلاں جگہ آگ لگ گئی، اتنا نقصان ہو گیا، آج فلاں جگہ زلزلہ آگیا، اتنے آدمی مر گئے، آج فلاں محلہ میں قتل ہو گیا، کل فلاں جگہ دو ہرا قتل ہو گیا، فلاں جگہ آج ڈاکہ پڑ گیا، فلاں گھر لوٹ لیا گیا، فلاں بنک لوٹ لیا گیا یہ خبریں بلا ناغہ روز اخباروں میں آپ پڑھتے ہیں یا نہیں؟

بس آپ نے اخبار پڑھا اور ڈال دیا۔ آپ سچ سچ اپنے تاثرات بتایئے کہ کسی کے دل میں ایک لمحہ کیلئے جنبش پیدا ہوئی؟ دن دہاڑے لوٹ مار، غارتگری، تباہ کاری، جانی اور مالی

حادثات اور نقصانات کے واقعات و حالات پڑھے اور اخبار رکھدیا کسی نے کوئی تاثر لیا؟ میں کہتا ہوں کہ کسی نے کوئی تاثر نہیں لیا تو یہ کتنی بڑی بے حسی ہے گویا یہ واقعات صرف اخبار میں پڑھ لینے کے لیے ہیں یا سُن لینے کیلئے ہیں۔ آپ سے اور آپ کے امور زندگی سے ان کا کوئی واسطہ نہیں آپ کی جان و مال کو گویا کوئی خدشہ نہیں۔ یہ کس قدر بے حسی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی پکارنے والا پکار اٹھے ؎

اے موج حوادث انکو بھی دو چار تھپیڑے ہلکے سے
کچھ لوگ ابھی تک ساحل پر طوفاں کا نظارہ کرتے ہیں

پھر انسانی ہمدردی کا بھی کوئی تقاضا ہونا چاہیئے کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ بھائی اخبار پڑھنے کے بعد کم از کم دو کلمہ تو کہہ لیتے کہ یا اللہ اپنا رحم فرمایئے۔ آپکی مخلوق تباہ ہو رہی ہے۔ ہم بھی محفوظ و مامون نہیں۔ یا اللہ ہماری اور ہمارے اہل و عیال کی حفاظت فرمایئے کیا اخبار پڑھنے کے بعد یہ دو کلمے بھی آپ کی زبان سے نکلتے ہیں؟ یہ بے حسی ہے یا نہیں؟ یہ آپ نے اخباروں میں کس کا ذکر پڑھا یہ سب اپنے مسلمان بھائیوں ہی کا ذکر تو تھا۔ کیا دین اور انسانیت کا تقاضا یہی ہے کہ اتنی دل سوزی اور ہمدردی بھی نہ ہو۔ ایمان و اسلام تو ہمیں انسانیت کی تعلیم دیتا ہے اور جذباتِ انسانیت کو بیدار کرنے کیلئے آیا ہے، اشرف المخلوقات بنانے کے لیے آیا ہے مگر ہم نے ساری انسانیت اور ساری اسلامیت بے حسی کی نذر کر دی إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔ کبھی غور بھی کیا کہ یہ نتیجہ کس بات کا ہے؟

اس کا سبب یہی ہے کہ عام طور پر مسلمان فی زمانہ غیر اسلامی تعلیم و تہذیب اور معاشرہ کے ماحول میں اسلامی شعائر و شعور سے بیگانہ ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اور جو عبرت ناک حالات ابھی مذکور ہوئے ہیں وہ سب ہماری شامتِ اعمال اور بے محابا گناہوں کا خمیازہ ہیں کاش ہم اس کا احساس کریں۔

اب دوسری بے حسی سُنیئے، جو اس سے بھی زیادہ سنگین ہے، میں ہر گز بات نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ اکثر و بیشتر کا حال ہے کہ کسی شعبے میں بھی جایئے کہ شرافت، دیانت اور امانت کا کام ہو رہا ہے؟ دفاتر میں جایئے، تجارت گاہوں میں جایئے، تعلیم گاہوں میں جایئے، انجمنوں میں جایئے، بازاروں میں جایئے، کہاں خدا کا قانون نہیں توڑا جا رہا ہے؟ کھلے بندوں جُوا کھیلا جا رہا ہے شرابیں پی جا رہی ہیں، بدکاریاں ہو رہی ہیں بے شرمی اور بے غیرتی کے اڈے قائم ہیں، سنیما جاری ہیں، ٹیلی ویژن چل رہے ہیں، عورتوں کے ناچ رنگ ہو رہے ہیں، ریڈیو چل رہا ہے، فلمی گانے بجانے ہو رہے ہیں اب ایک اور نامراد چینیل چل رہی ہے جس کا نام وی سی آر کہا جاتا ہے جس کی وجہ سے دنیا و آخرت دونوں جہنم بن رہی ہیں بڑے ذوق و شوق سے دیکھا جاتا ہے۔ جو لوگ ایسے ذوق شوق سے دیکھ رہے ہیں انکو احساس تک نہیں کہ یہ باتیں سب ایمان و اسلام کے خلاف ہیں اور کبیرہ گناہ ہیں یہ بے حسی نہیں تو اور کیا ہے؟ کتنی حیا سوز کتنی مخرّب اخلاق اور کتنی برباد کرنے والی حرکات سنیما اور ٹیلی ویژن پر ہو رہی ہیں کہ الامان الحفیظ!

ہم لوگ انھیں دیکھتے ہیں اور سنتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ اگر خدا کا قہر نازل ہو جائے تو پھر کیا ہوگا؟ یہ سب کبیرہ گناہوں میں شامل ہیں کہ نہیں ہیں؟ اللہ اور اس کے رسول نے انہیں کبائر میں شمار کیا ہے کہ نہیں؟ ان کا خمیازہ اور وبال دنیا و آخرت میں بتلایا ہے کہ نہیں؟ ہماری اور آپ کی دوسری بے حسی یہ ہے کہ نہیں؟ کہ ہم چاروں طرف کھلم کھلا علانیہ طور پر کبیرہ گناہوں کا ارتکاب ہوتے دیکھ رہے ہیں نہ اپنے لیے حفاظت کی دعا مانگتے ہیں اور نہ اُن کے لیے ہدایت کی دعا مانگتے ہیں؟ بھائی آخر کب تک بے حس رہو گے؟ ذرا اپنے اسلام اور ایمان کی خبر لو۔

میں پھر عرض کروں گا کہ اسوقت میرے مخاطب وہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں ایمان و اسلام کی قدر نہیں ہے صرف اسلام کے نام سے موسوم ہیں تو کیا نام رکھ لینے سے، صورت شکل بنا لینے سے، مردم شماری میں مسلمان لکھے جانے سے آپ صحیح معنی میں مسلمان ہو گئے؟ کس نے آپ سے ایسا کہدیا۔ شیطان نے آپکو دھوکہ دیا ہے ـــ یاد رکھیئے! جب تک اللہ تعالیٰ کے تمام اوامر و نواہی پر نظر نہ جائے گی اور اس کے احکام کی عظمت دل میں نہ ہوگی اور اس کے مطابق عمل نہ ہوگا ہرگز آپکا ایمان کامل نہیں۔ اب یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ جس کو چاہیں بخشدیں۔ وہ اپنے نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل کر دیں تو کوئی کہنے والا نہیں ان کی قدرت اور ان کی رحمت ایسی ہی ہے، لیکن یہ بتاؤ کہ تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض معروض کرنے کی کیا صورت ہے؟

غرض بے حسی کا یہ عالم ہے کہ دن رات کے سانحات سے نہ عبرت لیتے ہو اور نہ رائج الوقت کبیرہ گناہوں کو دیکھ کر اپنے لیے اللہ سے پناہ مانگتے ہو۔ نہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے ہدایت کیلئے دعائیں مانگتے ہو۔ حالانکہ نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی بہت سی دعائیں ہم کو تعلیم فرمائی ہیں جن میں تمام مسلمانوں کے لیے مغفرت اور عذاب الٰہی سے نجات مضمر ہے۔ أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ۔

ذرا غور تو کرو کہ اس زمانہ میں کون سے وہ گناہ ہیں اور کون سے وہ کبائر ہیں جن میں قوم کی اکثریت مبتلا نہیں ہے۔ ذرا کلام الٰہی کو پڑھو اور تاریخ کو دیکھو گذشتہ زمانوں میں کتنی قومیں تباہ و برباد ہوئی ہیں اُنہی حرکتوں اور بدعملیوں سے جو آجکل رائج الوقت ہیں ایک ایک حرکت اور کارنامہ اپنی قوم کو دیکھ لو علانیہ کتنے گناہ کبیرہ کا رواج ہو رہا ہے بازاروں میں، دفتروں میں، تجارت گاہوں میں تعلیم گاہوں میں، تفریح گاہوں میں حتیٰ کہ گھر گھر میں لغویات رائج ہو گئی ہیں جن کا نتیجہ یہ ہے کہ خاندانوں میں بدمزگی، آپس میں نا اتفاقی، زن و شوہر میں نہیں بنتی، نہ ماں باپ کا احترام نہ بڑوں کا ادب معلوم ہوتا ہے کہ چین و سکون سلب ہو گیا ہے۔ بڑی عبرت کا مقام ہے۔ بڑے مطمئن ہیں کہ ہم سفید پوش ہیں دفاتر میں ہمارا یہ منصب اور رتبہ ہے تجارت گاہوں میں ہمارا اتنا سرمایہ ہے بینک بیلنس بھرپور ہے، کوٹھیاں ہیں، بنگلے ہیں، کاریں ہیں۔ یہ ہے وہ ہے یہ سب کچھ سہی پر یہ تو بتاؤ کہ تم انسان بھی ہو کہ نہیں؟ تمہارے اندر انسانیت کے جوہر بھی ہیں کہ نہیں؟ خاک بھی نہیں۔ بڑے افسوس کی بات ہے۔ انسانوں کی سی بس صورت ہے لیکن اعمال حیوانوں سے بدتر ہیں۔ بھائی معاف کرنا میرا لہجہ تلخ ہو گیا اگر غور کرو اور اپنے گریبان میں سر ڈال کر دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کے کھلے ہوئے احکامات کی کس بے باکی اور جرأت سے نافرمانی ہو رہی ہے اور معاشرہ میں کیسے اشد گناہ کبیرہ ہو رہے ہیں نہ عورتوں میں شرم و حیا ہے نہ مردوں میں غیرت۔ عورتیں برہنہ سر عریاں لباس پہنے بازاروں میں گھوم رہی ہیں نوجوان لڑکیاں آزاد، نوجوان لڑکے آزاد کیا یہ سب علامات قیامت نہیں ہیں؟ اور کیا ان پر قہر خداوندی اور عذاب الٰہی کو دعوت دینا احادیث میں اللہ کے سچے رسول نے نہیں بتلایا ہے۔ عبرت حاصل کرو اور توبہ و استغفار کرو، اللہ تعالیٰ کی رحمت طلب کرو۔

ابتداء میں جو چند احادیث علامات قیامت کے سلسلہ میں بیان کی گئی ہیں۔ ان پر ایک بار پھر نظر ڈالیئے اور اندازہ کیجئے کہ جو قہر خداوندی اور عذاب الٰہی ہونا ارشاد فرمایا گیا ہے اُن کو سوچیئے کہ جن معاصی اور گناہوں میں ہم ہر وقت مبتلا رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی جتنی کھلی ہوئی نافرمانیاں ہوتے دیکھتے ہیں اور ان سے مانوس ہوئے جاتے ہیں۔ اور جس شامت اعمال میں مبتلا ہوئے ہیں ان کا بھی احساس نہیں ہے۔

ایسی حالت میں کیا تو ہماری دعائیں قبول ہوں اور کیا ہماری پریشانیاں دور ہوں یہ تو اللہ کی رحمت خاصہ اور نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کی برکت ہے کہ پھر بھی ہم سب محفوظ اور مامون ہیں۔

آج مجھے آپ لوگوں سے بس یہی کہنا تھا کہ ہوشیاری کے ساتھ سُن لیجئے مرد بھی اور عورتیں بھی اپنے مصائب اور پریشانیوں کا اندازہ کرو اور عبرت حاصل کرو۔ للہ معاصی اور گناہوں کو چھوڑو۔ ٹیلی ویژن، ریڈیو، سنیما کی لغویات اور فضولیات اور فسق و فجور کی باتیں رائج الوقت ہو رہی ہیں ان سے بچو۔ اخباروں میں حادثات و سانحات کی خبریں پڑھو تو بارگاہِ الٰہی میں رقت قلب کے ساتھ فریاد کرو کہ یا اللہ! یا ارحم الراحمین!! اُمتِ مسلمہ پر رحم فرمایئے یہ آپ کے نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں ہم سب پر رحم فرمایئے جہاں لوگوں کو طرح طرح کی پریشانیوں میں، بیماریوں میں گرفتار دیکھو تو اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے پناہ چاہو اور بیماروں کی شفا کیلئے دُعا کرو، لوگوں کو اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے دیکھو تو اللہ تعالےٰ ان کی ہدایت کے لیے دُعا کرو۔ اور اپنے لیے ہر گناہ سے بچنے کی توفیق کی دعا کرو اور توبہ و استغفار کو اپنا شعار بنا لو۔

دعائے مغفرت

حضرت مولانا قاری محمد صدیق صاحب باندوی مدظلہٗ کی اہلیہ محترمہ کا مورخہ ۸ اگست ۹۳ء کو دل کا دورہ پڑنے سے اچانک انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اطلاع ملتے ہی دار العلوم ندوۃ العلماء سے کئی حضرات تعزیت کی غرض سے باندہ تشریف لے گئے، مسجد دار العلوم میں مرحومہ کے لیے ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت کا اعلان کیا گیا۔

ادارہ تعمیر حیات مولانا موصوف اور دیگر پسماندگان کے غم میں شریک ہے قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

مولانا عبدالنور عبدالعظیم ندویؒ

ندوہ کے ایک باصلاحیت فرزند

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صدر شعبہ ادب عربی ندوۃ العلماء لکھنؤ

مولانا عبدالنور صاحب ندوی دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ان فرزندوں میں ایک تھے، جنھوں نے گذشتہ تین دہائی میں کم عمری میں ہی اس دنیا سے رحلت کی۔ ان فرزندوں میں سرفہرست مولانا علی احمد کیانی جو عربی صلاحیت کے مالک، اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے شاگردوں میں تھے، پھر عربی "البعث الاسلامی" کے مدیر اعلیٰ مولانا محمد الحسنی اور تعمیر حیات کے مدیر مولانا اسحاق جلیس ندوی تھے مولانا محمد الحسنی عربی اردو دونوں کے کامیاب اہل قلم اور ادیب تھے اور مولانا اسحاق جلیس ندوی اردو کے اچھے اہل قلم ہونے کے ساتھ ساتھ وسیع المطالعہ اور پیام انسانیت تحریک کے سرگرم کامیاب کارگزار تھے، ان کے علاوہ حدیث شریف کے اساتذہ میں مولانا مصطفیٰ ندوی، مولانا وجیہ الدین ندوی اور آخر میں مولانا ضیاء الحسن ندوی تھے جنھوں نے کم عمری میں رحلت کی اب مولانا عبدالنور ندوی نے بھی تقریباً کم عمری میں ہی رحلت کی ان کی عمر انتقال کے وقت ۵۲ سال کی تھی۔

مولانا عبدالنور صاحب ندوی جن کا قلمی نام اپنے والد مولانا عبدالعظیم کی طرف انتساب کی بنا پر نور عظیم ندوی تھا، ایک شریف الطبع، ادبی ذوق کے حامل اور اچھے مدرس تھے وہ اپنی ادبی صلاحیتوں کو اچھے انداز میں بروئے کار بھی لاتے تھے، ان کو اپنے موضوع پر اچھا قابو تھا وہ ادب کی تدریس کے ساتھ ساتھ اردو صحافت اور ادبی مذاکروں میں بھی حصہ لیتے تھے۔

مولانا عبدالنور ندوی، ندوۃ العلماء آنے سے قبل اپنے وطن کے قریب کے کئی مدرسوں میں تعلیم حاصل کرتے رہے، اعلیٰ تعلیم کے لیے وہ ۱۹۶۰ء میں ندوۃ العلماء آئے اور درجہ عربی عالمیت میں داخل ہوئے اور سند فضیلت تک چار سال کی تعلیم مکمل کی، ان کا تعلق اس کے بعد بھی ندوۃ العلماء سے کسی شکل میں برابر قائم رہا۔ فضیلت تک کی تعلیم مکمل کرکے انھوں نے اپنی تدریسی زندگی جامعہ احمدیہ سلفیہ سے شروع کی، جامعہ احمدیہ سلفیہ کے صدر ڈاکٹر عبدالحفیظ سلفی کا حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ سے جو قلبی و ذہنی تعلق رہا، اس کی بنا پر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ سے بھی وہ خصوصی ربط رکھتے تھے اور بہت تعلق سے ملتے تھے، حضرت مولانا مدظلہ کو بھی ان سے بڑا تعلق تھا، اس کا دونوں طرف سے اظہار ہوتا رہتا تھا، دوسری طرف مولانا عبدالنور صاحب ندوی کے والد مولانا عبدالعظیم صاحب بھی حضرت سید احمد شہیدؒ سے عقیدت رکھتے تھے اور ان کی طرف سے حضرت مولانا علی میاں مدظلہ سے تعلق کا اظہار ہوتا تھا اور یہ حضرت مولانا تک ہی محدود نہ تھا بلکہ ان کے اہل خاندان سے بھی تھا، چنانچہ میرے بڑے بھائی مولانا سید محمد ثانی صاحب سے بھی ربط تھا، اس کے اثر سے مولانا عبدالنور صاحب بھی ندوۃ العلماء میں تعلیم کے دوران اور جامعہ احمدیہ سلفیہ جانے کے بعد بھی مولانا مدظلہ سے تعلق رکھتے رہے، چنانچہ کچھ مدت بعد جامعہ سلفیہ سے ندوۃ العلماء بحیثیت مدرس آگئے۔ لکھنؤ اور ندوۃ العلماء میں ان کے کئی رفیق درس پہلے سے تھے ان میں ان کے استاذ زادہ اور رفیق درس ڈاکٹر محمد یونس نگرامی اور رفیق درس و رفیق دارالاقامہ مولانا نذر الحفیظ ندوی خاص طور پر قابل ذکر ہیں چنانچہ ندوۃ العلماء سے وابستگی کے دوران تینوں ساتھیوں کے درمیان بڑا آپسی ربط رہا جس کی بنا پر تینوں تقریباً ہر کام میں ایک دوسرے کے ساتھ شریک رہے، شہر کی ثقافتی و علمی سرگرمیوں میں ڈاکٹر یونس نگرامی کے ساتھ شرکت رہتی بلکہ عموماً جس کام میں ان میں سے کوئی ایک شریک ہوتا دوسرا بھی اس میں شامل ہوتا، تینوں ذوق اور عمومی علمی صلاحیت میں ایک دوسرے سے بڑی حد تک ملتے جلتے تھے۔ مولانا عبدالنور صاحب اور مولانا نذر الحفیظ کا تو قیام بھی ایک ساتھ تھا لہٰذا دونوں میں زیادہ خلا ملا رہا۔

صحافتی کام ہوں یا عربی سے اردو ترجمہ ہو تقریباً ہر جگہ مولانا عبدالنور ندوی اور مولانا نذر الحفیظ کا نام ساتھ رہتا، ان کے علاوہ مولانا عبدالنور صاحب کے دوسرے ہم سن اور کاموں میں شریک فضلاء میں مولانا شمس الحق ندوی اور مولانا محمود الازہار صاحب بھی رہے۔ ندوۃ العلماء میں ترجمہ و صحافت و ثقافت کی انجمنوں میں مولانا عبدالنور اور ان کے یہ ہم عمر فضلاء تقسیم کار اور مشارکت سے کام کرتے، ندوہ سے ازہر میں مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے ندوۃ العلماء کی طرف سے تین نام بھیجے گئے تھے وہ مولانا عبدالنور ندوی، مولانا نذر الحفیظ ندوی اور سلمان عابد شمسی ندوی کے تھے ازہر کی منظوری ملنے پر تینوں ازہر گئے، سلمان صاحب تو چند ماہ بعد حجاز آگئے اور وہاں ان کو ایک ملازمت مل گئی لیکن مولانا عبدالنور ندوی اور نذر الحفیظ صاحب نے ادب و نقد میں ایم اے کا کورس مکمل کیا، اور اس کی سند لے کر واپس ہوئے، نذر الحفیظ صاحب وہاں سے فارغ ہو کر براہ راست ندوہ لوٹ آئے اور اپنے سابقہ تدریسی کام میں لگ گئے۔ البتہ مولانا عبدالنور صاحب کو ریاض میں معہد اللغۃ میں تدریس کی جگہ مل گئی جب اس کا معاملہ اختتام پذیر ہوا تو رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی طرف سے حضرت مولانا علی میاں صاحب کی زیر نگرانی ہندوستان میں مبعوث مقرر ہوئے اور تدریسی کام کے ساتھ اپنے ذوق کے ادبی و علمی کاموں میں رفیق و شریک رہے، سیاسی میدان عمل میں مولانا عبدالنور صاحب اور مولانا نذر الحفیظ صاحب نے دلچسپی نہیں لی اور صحافت کے دائرہ میں عربی صحافت سے برائے نام ربط رہا، البتہ ندوہ کے تعمیر حیات میں اور شہر کے بعض پرچوں خاص طور پر ندائے ملت میں ان دونوں حضرات نے دلچسپی لی، تعمیر حیات مولانا اسحاق جلیس ندوی مرحوم کی ادارت میں اور خصوصی دلچسپی کا محور رہا، پھر ان کے بعد ان کے بعض رفقاء مولانا شمس الحق ندوی اور مولانا محمود الازہار صاحب ندوی نے اس کی ذمہ داری سنبھالی جو تا حال باقی ہے۔ البتہ درمیان میں اس کے بعض شماروں میں مولانا عبدالنور صاحب نے بعض محدود ذمہ داریاں بھی انجام دیں۔ البتہ مولانا نذر الحفیظ صاحب ندوی کبھی کبھی مضامین یا نوٹ کے ذریعہ حصہ لیتے رہے لیکن جب بھی ان لوگوں نے کچھ لکھا وہ ان کے نام کے ساتھ آیا، اس میں نام کا اخفا نہیں کیا گیا، شہر کے پرچوں میں سے ندائے ملت سے ایک مدت تک مولانا عبدالنور صاحب ندوی اور مولانا نذر الحفیظ صاحب کا اداری تعلق ذرا زیادہ رہا، وہاں ان حضرات نے اپنے نام کے اظہار کے بغیر بھی مضامین شائع کیے۔

کلیۃ اللغۃ سے ذمہ داری کا تعلق ہونے کی بنا پر اس میں مولانا عبدالنور ندوی کے مدرس ہو جانے پر ان کا مجھ سے تعلق بڑھا، یوں تعلق کی ابتدا تو ان کی طالب علمی کے زمانہ سے ہی ہو گئی تھی جب کہ ادب عربی کے اسباق میں ان کا دیگر اساتذہ کے علاوہ مجھ سے بھی ربط رہتا تھا۔

مصر سے لوٹنے کے بعد ان کی ادبی واقفیت میں نمایاں اضافہ ہوا، ان کے ادب کا ذوق بھی بلند ہوا، البتہ عربی تحریر و مقالہ نگاری سے انھوں نے کم دلچسپی لی، اس کے لیے میں نے اور میرے بعض رفقاء نے ان کو توجہ بھی دلائی لیکن انھوں نے اردو کو اپنی نگارش کے لیے ترجیح دی اور باوجود توجہ دلانے کے نہ ہونے کے برابر شرکت کی البتہ جب رابطہ ادب اسلامی کا ضمیمہ نکالنا طے کیا گیا تو رابطہ ادب اسلامی کے دفتر کے ایک ذمہ دار کی حیثیت سے میں نے ان کو اس میں ذمہ دارانہ حصہ لینے کے لیے کہا۔ انھوں نے قبول کیا اور حصہ لیا اور اس کے متعدد شماروں میں انھوں نے نوٹ لکھے، لیکن اس دوران شکر کی بیماری اور بلڈ پریشر کے اثر سے ان کو کام میں دشواری ہونے لگی اور وہ اس پرچہ میں تحریری کام اتنا نہ کر سکے جتنا کہ ان کو کرنا تھا۔ رسالہ کی سہ سالہ مدت میں وہ چند مختصر مضامین کے علاوہ کوئی اہم مقالہ نہ لکھ سکے، ان کی کمزوری صحت اس بات کا باعث بنی کہ رابطہ ادب اسلامی کے سالانہ سیمیناروں میں اپنی علمی شرکت کو انھوں نے عموماً زبانی حد تک محدود رکھا اور مقالہ کے ذریعہ شرکت نہ کر سکے وہ علمی مجالس میں اپنی علمی و فکری بات کو موثر اور بہتر انداز میں پیش کرتے، اس سے یہ بات عیاں ہوتی رہی کہ ادب کا ان کا مطالعہ جدید اور وسیع ہے اور ان کو ادب کے نظریات اور مفاہیم سے اچھی واقفیت ہے، رابطہ ادب اسلامی کے وہ باقاعدہ رکن نہ تھے لیکن ان کی صلاحیت کو دیکھتے ہوئے رابطہ کی طرف سے ان کے ساتھ رکن جیسا معاملہ کیا گیا۔

اور ان کے حقوق کا بھی پورا لحاظ رکھا گیا ان کی صحت کی کمزوری کو دیکھتے ہوئے اس بات کا بھی لحاظ کیا جاتا رہا کہ ان پر بوجھ زیادہ نہ پڑے، رابطہ کی طرف سے عربی خط و کتابت نیز سیمیناروں کے لیے رپورٹ اور اس کے دعوت ناموں کی ترتیب عموماً میں ہی کرتا اور جو کام وہ بسہولت کر سکتے اسی کا ان کو موقع دیا جاتا اور وہ انھیں کے نام سے ہوتا تھا۔ رابطہ کے دفتر کے انچارج ہونے کا ان کو معاوضہ بھی دیا جاتا۔ ان کی علالت کے زمانہ میں ہمدردی کی جو ضرورت پڑی اس میں بھی دریغ نہیں کیا گیا بلکہ معمول سے زیادہ ہی کیا گیا۔

مولانا عبدالنور صاحب ندوی سلفی المسلک تھے مولانا علی میاں صاحب نور اللہ مرقدہ کی میں بہت ممتاز ہیں انھوں نے بلکہ دیگر لوگوں نے بھی مولانا عبدالنور صاحب سے باوجود قریبی ربط و ضبط کے ایک لفظ بھی ایسا نہیں کہا جس سے وہ یہ محسوس کرتے کہ ہم لوگ ان کے سلفی ہونے کو مغایرت کی نظر سے دیکھتے ہیں اب وہ اس وقت دنیا میں نہیں ہیں کہ وہ اس کی شہادت دے سکیں لیکن ان کے قریبی رفقاء جن کا دن رات ساتھ تھا، وہ شہادت دے سکتے ہیں۔

دراصل مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ اس بات کے قائل ہیں کہ فقہی اختلافات کو کبھی کشاکش کا باعث نہ بننا چاہیے، اہل سنت کے سب فقہی مسلک قرآن و حدیث سے وابستہ ہیں اس لیے ایک دوسرے کے ساتھ رواداری اور احترام ملحوظ رکھنا چاہیے اور امت اسلامیہ کے موجودہ حالات اس بات کے متحمل بھی نہیں ہیں کہ محض فقہی اختلافات کی بنا پر ایک دوسرے کو ضال و مضل قرار دیا جائے اور امت کو بے شمار گمراہیوں میں بانٹ دیا جائے، حضرت مولانا علی میاں صاحب نے تو بعض بعض مرتبہ دیگر فقہی مسلک سے وابستہ کسی شخص کو اپنے مسلک کے مطابق عمل کرنے میں کوتاہی کرتے دیکھا تو ٹوک دیا کہ جس فقہی مسلک کے ماننے والے ہو اس میں کیوں کوتاہی کرتے ہو۔ ندوہ کی یہی رواداری ہے جس کی وجہ سے یہاں شافعی المسلک اور سلفی المسلک طلباء و اساتذہ، حنفی المسلک طلباء و اساتذہ کے ساتھ اپنائیت سے رہتے ہیں۔ یہ مثال بڑی شاندار مثال ہے جس کو بعض متشدد المسلک لوگ قابل تنقید بھی قرار دیتے ہیں لیکن ندوہ اس وسیع المشربی اور اعتدال کو ہمیشہ اپنائے ہوئے ہے۔ مولانا کا یہ اخلاق و کشادگی ہے جس کی بنا پر حنفی علماء کے یہاں ان کا جو احترام ہے وہ تو ہے ہی اس کے ساتھ ساتھ ہندو پاک کے بڑے سلفی علماء بھی حضرت مولانا کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے اور محبت کا معاملہ رکھتے ہیں ان میں صادق پور پٹنہ کے مرحوم بزرگ مولانا حکیم عبدالخبیر صادق پوری اور جناب شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی، مولانا ڈاکٹر عبدالحفیظ سلفی مولانا عبدالرؤف جھنڈا نگری، مولانا مختار احمد ندوی اور دیگر متعدد علمائے اہل حدیث شامل ہیں۔

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ اور ندوہ کے دیگر تمام ذمہ داران کی طرف سے مولانا عبدالنور صاحب ندوی کے ساتھ بڑا قدر دانی کا معاملہ رہا ان کی صلاحیتوں کے پروان چڑھنے اور ترقی کرنے سے دلچسپی رہی، اور آج بھی ان کی خوبیوں کا ذکر کرنے میں سب کو خوشی معلوم ہوتی ہے لیکن یہ سب اس طرح جس طرح ان کے ہم پلہ رفقاء اور اصحاب ذوق و علم کے معاملہ میں ہے البتہ ان کے کم عمری میں وفات پا جانے سے ان کے ساتھ ہمدردی اور احساس تعلق دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ ہو رہا ہے۔ مولانا عبدالنور صاحب جب ندوہ آئے تو وہ صلاحیت کے لحاظ سے اپنے درجہ کے دسیوں ساتھیوں کی طرح ہی تھے۔ کوئی خاص امتیاز نہ تھا۔ انھوں نے یہاں پڑھا اور ترقی کی، عالمیت کی، پھر فضیلت کی پھر مدرس رہے۔ مولانا عبدالنور صاحب ندوی نے ندوہ میں جو پڑھا اور سیکھا اس میں وہ ان اساتذہ کے جن میں، میں بھی ہوں، برسوں شاگرد رہے۔ ان سے ہماری محبت اور تعلق میں اس بات کو بھی دخل رہا کہ وہ ہم لوگوں کے چھوٹے بھائی اور شاگرد کی حیثیت بھی رکھ چکے ہیں وہ خود بھی اس کو محسوس کرتے اور لحاظ رکھتے تھے۔ وہ ہم سب کو عزیز تھے لیکن ان کا کوئی ہمدرد ان کی تعریف اتنی کرنا چاہے کہ ان کو وہ مقام دے دے جو ان کے ان بڑوں اور اساتذہ سے بھی زیادہ ہے جن کو تمام دنیا مانتی اور جانتی ہے تو یہ بات اگر خود مولانا عبدالنور صاحب بقید حیات ہوتے تو ان کی پسند و تائید کی نہیں بن سکتی تھی اور یہ صحیح بھی نہیں ہے انھوں نے تو اپنے اساتذہ سے جن کے وہ بعد میں رفیق کار بنے حسب موقع علمی مراجعت و مشورہ سے بھی گریز نہیں کیا اور اظہار اعتراف بھی کیا۔

وہ ایک شریف، سنجیدہ اور مشفق صاحب علم تھے، قدرت کی طرف سے ان کو مختصر عمر ملی، مزید زندہ رہتے تو مزید ترقی کرتے اور ملت اسلامیہ کے ممتاز فرزندوں میں شمار ہوتے۔

ان کے انتقال کو تمام اہل ندوہ نے ایک بڑا خسارہ محسوس کیا، ہم سب دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے اخلاص و محبت کا صلہ ان کو آخرت میں اور ان کے پسماندگان کو اس دنیا میں بھی عطا کرے۔ ان کے انتقال سے جو نقصان ہوا اس کو محسوس کرنا اور ان کی نیکیوں اور خوبیوں کو سراہنا ایک نیک فریضہ ہے، ان کے انتقال کے زمانہ میں ملک ایسے حالات سے گذر رہا تھا کہ پڑھے لکھے اور جاہل مسلمان لیڈر اور عوام بہت سخت فکرمندی اور پریشانی کی کیفیت میں تھے، بابری مسجد کا انہدام ہوا تھا اور فسادات نے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا، ایسے حالات میں کام معمول کے مطابق نہیں چل پا رہے تھے، مولانا عبدالنور صاحب کے انتقال پر جو تعزیتی نوٹ اور ان کے حالات زندگی تعمیر حیات وغیرہ میں آنے چاہئے تھے وہ ان کے حق کے مطابق بر وقت نہ ہو سکے اور میں سمجھتا ہوں کہ ندوۃ العلماء کے علاوہ خود ان کے دیگر محبین نے بھی اس وقت کچھ نہیں کیا۔

وہ بہت خوبی کے انسان تھے اور اچھی صلاحیت کے حامل تھے اللہ تعالیٰ ان کو ترقی درجات سے نوازے اور ان کے پسماندگان کی حفاظت و مدد فرمائے آمین۔

بقیہ: سیرت کا پیغام

خودکشی کا مرادف قرار دیا گیا اور سورہ بقرہ کی آیت نازل ہوئی جس کی تفسیر حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے اس طرح کی ہے:-

"وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَی التَّهْلُكَةِ وَ اَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ" (سورہ بقرہ-۱۹۵)

اللہ کے راستہ پر خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو اور اچھی طرح کام کرو بیشک اللہ تعالیٰ اچھے کام کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

مسلمان کی زندگی کی اصلی ساخت یہی ہے کہ یا تو اسلام کی دعوت اور علمی جدوجہد میں مشغول ہو یا اس دعوت و علمی جدوجہد میں مشغول ہونے والوں کے لیے پشت پناہ و مددگار ہو، اس کے ساتھ بھی علمی جدوجہد میں حصہ لینے کا عزم اور شوق رکھتا ہو، مطمئن شہری اور محض کاروباری زندگی اسلامی زندگی نہیں، اور کسی طرح بھی یہ ایک مسلمان کا مقصودِ حیات نہیں ہو سکتا، جائز مشاغلِ زندگی، جائز وسائلِ معیشت ہرگز ممنوع نہیں، بلکہ نیت و اجر طلبی کے ساتھ عبادت و قربِ الٰہی کا ذریعہ ہیں، مگر یہ سب دین کے سایہ میں ہوں اور صحیح مقاصد کا وسیلہ ہوں نہ کہ خود مقصود بالذات۔

سیرت محمدیؐ کا یہ سب سے بڑا پیغام ہے، جو خالص مسلمانوں کے نام ہے، اس کی طرف توجہ رکھنا اس کے مقصد کو واضح کرتا اور سب سے بڑی حقیقت کی طرف سے چشم پوشی ہے، جو سیرت محمدیؐ مسلمانوں کے سامنے پیش کرتی ہے۔

ر۔ ی

تعمیر حیات کا سالانہ زرتعاون

الحمد للہ۔ تعمیر حیات تمام مشکلات و دشواریوں کے باوجود وقت پر شائع ہوتا رہا، ان شاء اللہ شائع ہوتا رہے گا۔

اس سے قبل ۱۰ اپریل ۱۹۹۳ء کے شمارے میں صفحہ ۱۳ پر تعمیر حیات کے سالانہ زرتعاون کے اضافہ کے بارے میں قارئین تعمیر حیات سے رائے طلب کی گئی تھی جو تائید میں رہی۔ ۱۹۸۶ء سے تعمیر حیات کی فیس میں کوئی اضافہ نہیں کیا گیا تھا جب کہ کاغذ، کتابت و طباعت کی گرانی بہت بڑھ چکی ہے لہٰذا مجبوراً سالانہ زرتعاون مبلغ 70/- روپیہ فی شمارہ 3/- روپیہ کا اضافہ ۱۰ ستمبر ۱۹۹۳ء کے شمارے سے کیا جا رہا ہے امید ہے کہ ہمارے قارئین کرام اپنی دلچسپی باقی رکھتے ہوئے توسیع اشاعت میں حصہ لیں گے۔ ایجنسیوں کو فی شمارہ 3/- روپیہ کے حساب سے دیا جائے گا۔ کمیشن سابقہ ہی رہے گا۔ اشتہارات کی شرح کے اضافہ کا پہلے ہی اعلان کیا جا چکا ہے جس میں 20/- روپیہ تعمیر حیات کا فی کالم فی سینٹی میٹر متعین ہے۔

منیجر

چند مسلم شفاخانے اور ان کی خدمات

ڈاکٹر سید محمد اجتبا ندوی ۔ صدر شعبہ عربی و فارسی الٰہ آباد یونیورسٹی

اسلام نے روحانی پاکیزگی اور صحت کے پہلو بہ پہلو جسمانی صحت کی جانب یکساں طور پر مسلمانوں کی توجہ مبذول کرائی ہے۔ چنانچہ مسلمانوں نے اسی کی روشنی میں صحت عامہ، معاشرہ اور افراد کے معالجہ کے لیے بہتر وسائل و ذرائع اختیار کیے اور مستقل و گشتی شفاخانوں کا ایسا عمدہ اور مستحکم نظام قائم کیا کہ جس سے خلق خدا کو علاج کے لیے بہت سہولتیں حاصل ہوئیں اور انھیں آرام و فائدے حاصل ہوئے ہم یہاں بطور مثال عہد اسلامی کے چند شفاخانوں کا تعارف کرائیں گے۔

۱۔ بغداد کا عضدی شفاخانہ

خلافت عباسیہ کے مشہور وزیر اعظم عضد الدولہ بن بویہ نے ۳۶۷ھ میں ایک ایسا شفاخانہ تعمیر کرنے کا ارادہ کیا جس میں تمام امراض کے علاج کے لیے مواقع اور سہولتیں فراہم کی جائیں اس نے معروف طبیب رازی کو حکم دیا کہ وہ شفاخانے کے لیے مناسب اور صحت بخش جگہ کا انتخاب کرے رازی نے ایک انوکھا طریقہ اختیار کیا اس نے بغداد کے مختلف گوشوں میں رات کے وقت تازہ گوشت کے ٹکڑے ڈلوا دیے صبح سویرے طبیبوں کی ایک ٹیم کے ساتھ ان جگہوں کا دورہ کیا۔ جس جگہ کا گوشت تر و تازہ اور اچھی حالت میں پایا اس جگہ شفاخانہ تعمیر کرنے کی تجویز پیش کی، وزیر اعظم ابن بویہ نے وہاں ایک خطیر رقم صرف کرکے بیمارستان بنوایا اور اس میں علاج کے لیے ۲۴ حکیموں کو مقرر کیا اور اس میں گراں قدر کتب خانہ، دوا خانہ، باورچی خانہ اور اسٹور بنوایا۔ ۴۴۹ھ میں خلیفہ قائم بامر اللہ نے اس شفاخانہ کی از سر نو توسیع کرکے اس میں قیمتی اور نادر دوائیں اور جڑی بوٹیاں مہیا کیں اور حکیموں، کارندوں اور دوسری ضروریات کی چیزوں میں اضافہ کیا اس کے علاوہ دربانوں و چوکیداروں کو متعین کیا، غسل خانے بنوائے اور اس کے قریب ایک باغ لگوایا جس میں ہر قسم کے پھل، میوے اور سبزیاں پائی جاتی تھیں۔ شفاخانہ میں حکیموں کی باریاں مقرر کر دی تھیں تاکہ صبح شام اور رات کو باری باری سے خدمت انجام دیں۔

۲۔ دمشق کا عظیم نوری اسپتال

سلطان عادل بادشاہ نورالدین زنگی شہید نے ۵۴۹ھ مطابق ۱۱۵۴ء نے یورپ کے ایک بادشاہ کے فدیہ کی رقم سے یہ اسپتال تعمیر کروایا اس وقت تک اتنا شاندار، بڑا اور عمدہ اسپتال قائم نہیں ہوا تھا، اور اس اسپتال کو غریبوں اور محتاجوں کے لیے وقف کیا، اتنی گنجائش رکھی کہ اگر دولت مندوں کو وہاں سے دوائیں حاصل کرنے کی مجبوری پیش آجائے تو انھیں دے دی جائیں، ہر مریض کو علاج اور دوائیں مفت دی جاتی تھیں، مشہور سیاح ابن جبیر نے ۵۸۰ھ میں اسپتال دیکھنے کے بعد لکھا کہ اس میں مریضوں کی دیکھ بھال اور علاج کا بہت اچھا انتظام ہے اور دواؤں و غذاؤں کا بڑا معقول نظم ہے اس میں دماغی امراض کا بھی بہت مناسب علاج ہوتا ہے، ۸۳۱ھ میں ایک تاریخ نویس نے دمشق کا سفر کیا اس نے ایک غیر عرب عالم اور دلچسپ دانشور کا واقعہ لکھا ہے کہ انھوں نے نوری شفاخانہ کا معاینہ کیا تو حکیموں کی کثرت، مریضوں کے علاج و دیکھ بھال کے انتظامات اور دواؤں، کھانے وغیرہ کی اشیاء کی بھرمار دیکھ کر بہت متاثر ہوئے، انھوں نے شفاخانہ کے حکیموں کا امتحان لینے کا ارادہ کیا کہ دیکھیں کہ آیا یہ واقعی حاذق طبیب اور ذمہ دار منتظمین ہیں۔ چنانچہ وہ بیمار بن کر اسپتال میں داخل ہو گئے، اور تین دن رہے، ان کی حیثیت اور اہمیت کے پیش نظر حکیموں کا سربراہ بذات خود ان کے علاج کے لیے حاضر ہوا اور مکمل معاینہ کیا، نبض دیکھی دوسرے تجربات کیے اور آخر میں اسے یقین ہو گیا کہ مہمان بیمار نہیں بیمار بن گئے ہیں تاکہ شفاخانہ کے حکیموں کا امتحان لیں، "انھوں نے مریض کے لیے عمدہ مرغن اور عمدہ کھانے مٹھائیاں اور متنوع پھل اور میوے تجویز کیے، تین دن کے بعد ان کی خدمت میں پرچہ لکھ کر بھیجا کہ ہماری یہاں مہمان نوازی صرف تین دن ہوتی ہے، غیر عرب دانشور کو معلوم ہو گیا کہ ان کے اس حیلہ کا علم انھیں ہو گیا اور ..... وہ انتیس دن شفاخانہ کے مہمان کے طور پر ان کی خدمت کرتے رہے۔ یہ شفاخانہ ۱۳۱۷ھ تک خدمت انجام دیتا رہا، اس کے بعد شام یونیورسٹی کے میڈیکل کالج کی زیر نگرانی ایک بڑا اسپتال قائم کر دیا گیا تو نوری شفاخانہ کی جگہ پرائیویٹ اسکول بنا دیا گیا۔

۳۔ منصوری شفاخانہ

اس شفاخانہ کو بیمارستان قلاوونی کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ شاہ منصور سیف الدین قلاوونی نے مصر میں ۶۸۳ھ مطابق ۱۲۸۴ء میں ایک شاہ زادہ کا محل خرید کر اس میں قائم کیا، اور اس پر ایک ہزار درہم سالانہ کی جائداد وقف کی، اس میں مسجد مدرسہ اور یتیموں کے لیے ایک مکتب تعمیر کیا، اس کی تعمیر کا واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ شاہ منصور قلاوونی شہزادگی کے زمانہ میں ملک ظاہر کے حکم سے ۶۷۵ھ میں رومیوں سے جنگ کے لیے روانہ ہوا، دمشق پہونچ کر بیمار ہو گیا، اطبا نے نوری شفاخانہ سے دوائیں حاصل کرکے اس کا علاج کیا وہ شفایاب ہو گیا، شفایابی کے بعد وہ نوری شفاخانہ دیکھنے گیا تو اسے وہ بے حد پسند آیا اس نے عہد کیا کہ اگر اسے بادشاہت حاصل ہوئی تو اسی جیسا شفاخانہ مصر میں بنائے گا چنانچہ اس نے بادشاہ ہونے کے بعد منصوری شفاخانہ کے نام سے تعمیر کیا۔ تعمیر، انتظامات، علاج معالجہ، طبی سہولتوں اور شفایابی کے بعد تعاون و امداد کے لحاظ سے دنیا کے عظیم ترین شفاخانوں میں تھا معاشرہ کے ہر فرد کے لیے مفت علاج کی آسانی حاصل تھی، مریضوں کے آرام و راحت اور دل بہلانے کے لیے بہترین انتظامات تھے اگر کوئی بے خوابی کا مریض ہوتا تو اس کے لیے الگ کمرہ تھا اس میں اس کے جی بہلانے اور وقت گذاری کے لیے ہلکی میوزک اس انداز سے بجائی جاتی تھی کہ جس سے وہ اپنی تکلیف بھول جاتا تھا۔ ۱۷۹۸ء میں فرانسیسی حملے کے وقت تک یہ طریقہ رائج تھا فرانسیسیوں نے دیکھا تو حیرت زدہ رہ گئے اور اس کی تعریف میں مضامین لکھے، شفاخانہ پر بہت بڑی جائداد وقف تھی جس سے اس کے تمام اخراجات پورے ہوتے تھے۔

چوتھا شفاخانہ مراکش کے موحدین بادشاہوں میں سے امیر المومنین منصور ابو یوسف نے قائم کیا تھا جو خوبصورتی، انتظامات، پھل دار درختوں اور پھولوں کے باغات اور سہولتوں کے اعتبار سے اپنی آپ مثال تھا، طبیبوں اور معالجوں کی بڑی تعداد کے علاوہ خدمت گاروں کی تعداد اتنی تھی کہ ہر مریض کے لیے دو خدمت گار تھے، امیر المومنین ہر جمعہ کو شفاخانہ کے معاینہ کے لیے آتے تھے اور احکامات و ہدایتیں دیتے تھے، ان شفاخانوں کے علاوہ شخصی شفاخانے تھے اور بہت ترقی یافتہ تھے طب جدید نے انھیں بنیادوں اور اسی کی روشنی میں یہ عظیم الشان کامرانیاں حاصل کیں۔

بقیہ: مولانا ابوالکلام آزادؒ

اور مقتدایان دین بھی، حد یہ کہ عبادت سمجھ کر بھی اس کے پڑھنے والے ہوا کرتے تھے، ایک پرچہ دس بیس آدمیوں کے بیچ سبقاً سبقاً پڑھا جاتا، ایسا بھی ہوتا کہ بچوں کو علیحدہ کمروں میں پڑھ کر سنایا جاتا۔ مگر جب الہلال کی شعلہ بیانی اور آتش نوائی نے برطانوی اقتدار کو جزع و فزع میں ڈال دیا تو نتیجۃً اس کا رشتہ حیات بھی منقطع ہوا اور مولانا آزاد کو بھی رانچی میں نظر بند ہونا پڑا۔ اور تین آنہ کا یہ پرچہ تین سال بھی جاری نہ رہ سکا اور حکومت نے اس کا گلا گھونٹ دیا۔

الہلال کے باب میں مولانا محمود الحسن صاحبؒ (شیخ الہند) فرماتے ہیں کہ مولانا آزاد نے صحیح راہ دکھا دی ہے۔ مولانا محمد علیؒ نے الہلال کو خوش آمدید کہا۔ حکیم اجمل خاں اور حسرت موہانی اس کے گرویدہ ہوئے، مولانا حسین احمد مدنیؒ نے اس پر جان چھڑکی اور ڈاکٹر ذاکر حسین نے تو اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ الہلال پڑھنے کے بعد جو چنگاری دل میں بھڑکی تھی وہ زندگی بھر ایک تند شعلہ کی طرح انھیں سرگرم عمل رکھتی رہی۔ (ماخوذ)

یہ بات واقعی اور حقیقی تھی کہ الہلال میں آزادی کی روح کارفرما تھی، جو جذبات درون قلب تھے صفحات کی پشت پر نمودار ہوئے۔ اور یہ بات کہ الفاظ خیالات کی نمائندگی اور نیابت کرتے ہیں الہلال سے اس کی تصدیق ہو گئی۔

پھر یہی نہیں کہ یہ صرف ایک تحریر کے بادشاہ کی تحریر تھی۔ نہیں! انداز تحریر سے وہ بادشاہ ہونا ہم فقر و فاقہ میں قناعت کا درس دینے والے فقیر کی درد انگیز آواز تھی جو مختلف الخیالات نفوس میں سرایت کرتی تھی۔ الہلال نئے خیالات، نئے رجحانات اور نئی تعلیمات کی بشارت لے کر آیا۔ اس میں کیا کچھ نہیں تھا یہ مشکل کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک ادبی پرچہ تھا یا سیاسی یا دینی اس میں سب کچھ تھا ادب اس میں، سیاست اس میں، دینیات اس میں۔

مجاہد آزادی

مولانا ابوالکلام آزاد الہلال کے آئینے میں

خلیل الرحمٰن سجاد ندوی متعلم ندوۃ العلماء

ہندوستان میں ۱۸۵۷ء کا زمانہ ایک تاریک اور بھیانک زمانہ ہے۔ جب مسلمانوں کی جگہ باضابطہ طور سے اجنبی اقتدار آچکا تھا اور برطانوی سامراج کا تسلط ہو چکا تھا۔ علمائے دین حق نے بروقت ذمہ داری محسوس کی، اور تحفظ اسلام و اصلاح امت کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ مختلف تحریکیں چلائیں۔ ابتداءً جس تحریک کا موثر انداز میں آغاز ہوا اس کے بانی اور سرخیل حضرت سید احمد شہیدؒ بریلوی متوفی ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء اور حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل دہلوی تھے۔ جنھوں نے اپنے جانباز و جاں نثار اور مخلص و فدا کار رفقا کو لے کر ملک بھر میں احیاء سنت اور ازالۂ بدعات و تصحیح عقائد کا زبردست کام انجام دیا۔

بانی تحریک حضرت سید احمد شہیدؒ اور مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ نے تو نصرت دین اور غیر ملکی استبداد کی راہ میں بالاکوٹ کے میدان میں جام شہادت نوش کیا لیکن ان کا کام بدستور باقی رہا۔ چنانچہ اسی تحریک کے دوسرے پیراگراف میں سیکڑوں ہزاروں مجاہدین حریت پیدا ہوئے اور ہر ایک نے دین و دنیا میں اپنا ایک مقام حاصل کیا۔ ان ہی مجاہدین حریت میں مولانا ابوالکلام آزاد نام کا ایک جلی عنوان کی حیثیت سے ابھر کر سامنے آتا ہے۔ ابوالکلام کا لفظ، آزاد لقب کے ساتھ معروف و مشہور ہو چکا ہے کہ کم از کم اجمالی تعارف کی قطعاً احتیاج باقی نہیں رہتی۔ اور ذہن و دماغ بلکہ اعضائے بدن یکایک ایک معہود شخصیت کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ تاہم کچھ حالات اور ان کے صحافتی میدان کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

← اصلی نام محی الدین احمد بن خیرالدین ابن مولانا محمد ہادی بن شاہ محمد افضل بن مولانا محمد احسن ہے جبکہ تاریخی نام فیروز بخت تھا جس کی درج ذیل مصرعہ سے تاریخ نکالی گئی تھی ؎

جواں بخت و جواں طالع جواں باد

موصوف اپنا آزاد تخلص کرتے تھے اس آزاد تخلص کی وجہ یہ ہے کہ گلدستوں میں جہاں حروف تہجی کے اعتبار سے کلام چھپتا تھا، کلام شائع ہو تو پہلے چھپے۔ یا اس لیے کہ آزادی ملک کے حصول کی خاطر تمام پابندیوں سے خواہ وہ سیاسی ہوں یا سماجی سب سے آزاد ہو گئے تھے۔

اور نسب نامہ میں جتنے بزرگوں کا نام آیا ہے سب ہی دہلی کے رہنے والے تھے۔ خود مولانا آزاد کا نام الہلال میں بحیثیت مدیر مسئول اور محرر خصوصی "احمد المکنی بابی الکلام الدہلوی" لکھا ہوتا تھا۔

مولانا آزاد کی عظمت و حیرت انگیز ذہانت اور مستقبل میں قوم و ملت کی بے مثال قیادت کے آثار ان کی بچکانہ اور ننھی عمر سے ہی ظاہر ہونے لگے تھے۔ مثل مشہور ہے:

"ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔"

ان کی بڑی بہن کی روایت ہے کہ بچپن میں بھائی کو ان کھیلوں کا شوق نہ تھا جو اکثر بچے کھیلا کرتے ہیں۔ ان کے کھیل سات آٹھ سال کی عمر میں عجیب انداز کے ہوا کرتے تھے۔ مثلاً کبھی وہ گھر کے تمام صندوقوں اور بکسوں کو ایک لائن میں رکھ کر کہتے تھے کہ یہ ریل گاڑی ہے پھر والد کی پگڑی سر پر باندھ کر بیٹھ جاتے تھے اور ہم بہنوں سے کہتے تھے کہ تم لوگ صندوق پر چلا چلا کر کہو۔ ہٹو ہٹو۔ راستہ دو، دہلی کے مولانا آرہے ہیں۔ ہم لوگ اس پر کہتے بھائی یہاں تو کوئی آدمی نہیں ہے ہم کس کو دھکا دیں اور کہیں کہ راستہ دو۔ اس پر وہ کہتے تھے کہ یہ تو کھیل ہے۔"

(ماخوذ از ابوالکلام آزاد عرش ملسیانی)

مولانا ابوالکلام آزاد کی شخصیت ایک ہمہ گیر شخصیت تھی جس کو اللہ تعالیٰ نے عجوبۂ روزگار بنایا تھا۔ ان کی محیر العقول شخصیت کی تطبیق دیتے ہوئے علامہ شبلی مرحوم رقمطراز ہیں:

"تمہارا ذہن عجائب روزگار میں سے ہے تمہیں تو علمی نمائش گاہ میں ایک عجوبہ کی طرح پیش کرنا چاہیے۔"

اور مولانا سید سلیمان ندویؒ تو ان کی شخصیت کو سراہتے ہوئے یہ الفاظ سپرد قلم کرتے ہیں کہ: ان سطروں کو لکھتے ہوئے مجھ کو یہ دھوکہ ہو رہا ہے کہ کیا میں ابن تیمیہ اور ابن قیم یا شمس الائمہ سرخسی اور امام ابن عبدالعزیز اندلسی کے حالات تو نہیں لکھ رہا ہوں۔ کیا ان اساطین علم کی شہادتوں کے بعد بھی کسی شہادت کی ضرورت باقی ہے۔؟

اسی طرح ان کی گوناگوں اور عالمگیر حیثیت اور صلاحیتوں پر ریویو کرتے ہوئے نیاز فتحپوری نے لکھا ہے کہ: اگر وہ عربی کی طرف توجہ کرتے تو متنبی اور بدیع الزماں ہوتے۔ اگر وہ محض دینی اور مذہبی اصلاح اپنا شعار بنا لیتے تو اس عہد کے ابن تیمیہ ہوتے۔ اگر محض علوم حکمیہ کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیتے تو ابن رشد اور ابن طفیل سے کم درجے کے متکلم و فیلسوف نہ ہوتے۔ اگر فارسی شعر و ادب کی طرف متوجہ ہوتے تو عرفی اور نظیری کی صف میں انھیں جگہ ملتی اور اگر وہ تصوف اور اصلاح اخلاق کی طرف مائل ہوتے تو غزالی اور رومی سے کم نہ ہوتے۔"

تاہم حیات آزاد کے اتنے گوشے ہیں کہ فیصلہ کرنا دشوار ہو جاتا ہے کہ بات کہاں سے شروع کی جائے۔ کیونکہ ان کی شخصیت کا ہر پہلو بجائے خود ایک موضوع سخن بنایا جا سکتا ہے۔

بہرحال ان سطور کے بعد مولانا ابوالکلام کی شخصیت صحافتی اعتبار سے دیکھی جائے تو اس میدان میں وہ تحریر کے ایک بادشاہ کی حیثیت سے نظر آتے ہیں۔ انھوں نے مختلف جرائد و اخبارات کی نوک پلک درست کی۔ وہ اکتوبر ۱۹۰۵ء میں ندوۃ العلماء کے ترجمان "الندوہ" کے ایڈیٹر بنائے گئے۔ اس وقت وہ علمی حلقوں میں روشناس نہیں ہوئے تھے۔ ان کی بعد کی عظمت اور مقبولیت میں کچھ تو فطری صلاحیتوں کا دخل تھا اور علامہ شبلی کے فیض کی تاثیر تھی کہ ان کے الندوہ کے مضامین نے ابوالکلام کے نام کا ایسا شہرہ بلند کیا کہ دنیائے صحافت میں ان کی مانگ بڑھ گئی اور وہ ۱۹۰۶ء میں اس زمانے کے مشہور اخبار "وکیل" کے لیے امرتسر روانہ ہو گئے۔ پھر ایک وہ وقت آیا کہ ہم وطنوں کو ایک نوائے جدید، نئی دعوت اور نئے پیغام سے گوش گزار کرنا تھا جس کے لیے ۱۹۱۲ء میں "الہلال" کا پہلا شمارہ منصۂ شہود پر آیا۔

الہلال عصری صحافت میں محض ایک اخبار کا اضافہ نہ تھا بلکہ ایک مستقل تحریک تھا۔ مولانا آزاد نے الہلال کے اجرائے مقاصد بتلاتے ہوئے اس امر پر زور دیا کہ اس کے تمام اغراض و مقاصد کا نقطۂ وحید دین اسلام کی دعوت کی تجدید اور اس کے بنیادی اصول معروف و منکر کے سلسلے میں بے لچک پالیسی کا نفاذ ہے۔

بیگم ڈاکٹر سید عبداللہ الہلال کے کارناموں اور نتائج کا تجزیہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"یہ اخبار مسلمانان ہند کی انقلابی سیاست کا آئینہ دار تھا۔ مسلمانوں سے تعلق رکھنے والے ملکی اور بین الاقوامی امور کی آزاد ترجمانی کا شرف اس کو حاصل تھا۔"

ایک جگہ خود مولانا آزاد وضاحت کے ساتھ لکھتے ہیں:

"الہلال کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ مسلمانوں کو ان کے تمام اعمال و معتقدات میں صرف کتاب اللہ اور سنت رسولؐ پر عمل کرنے کی دعوت دیتا ہے اور خواہ تعلیمی مسائل ہوں خواہ تمدنی و سیاسی خواہ کچھ ہو وہ ہر جگہ مسلمانوں کو صرف مسلمان دیکھنا چاہتا ہے۔ اس کی صدا صرف یہی ہے کہ ترجمہ: "اس کتاب کی طرف آؤ جو ہم اور تم دونوں میں مشترک ہے" (۳۔۵۷) اور جس سے اعتقاداً کسی کو انکار نہیں مگر عملاً یہ حال ہے کہ:

ترجمہ: "انھوں نے زبان سے تو کہہ دیا کہ ہم ایمان لائے لیکن ان کے دلوں میں ایمان نہیں۔"

الہلال بنیادی طور پر ایک سیاسی پرچہ لیکن اس کے متنوع اور ہمہ گیر انداز میں سیاسیات، تبلیغ دین، فلسفہ و حکمت، احوال شرق و غرب، علمی سائنسی معلومات اور شعر و ادب سب شامل تھے۔ اس جریدہ الہلال کا پہلا شمارہ اس وقت طلوع ہوا جب کہ مولانا آزاد کی عمر ۲۴ سال کی تھی اور وہ زمانہ ۱۹۱۲ء کا تھا۔ اس جریدہ نے دنیائے صحافت کو ایک جدید رنگ سے مانوس کرایا۔

جواہر لال نہرو نے لکھا ہے کہ "الہلال کی امتیازی خصوصیت اس کی نئی زبان اور اور مدیر کی علوم اسلامیہ پر گہری نظر تھی۔" الہلال کی ایک خوبی اور خصوصیت یہ بھی تھی کہ مصور ہونے کے باوجود ہر حلقہ میں اس کو نہایت والہانہ شوق سے پڑھا اور سنا جاتا تھا۔ قارئین میں رندان قدح خوار بھی ہوتے اور زہاد و اتقیاء بھی، ابر رگان عظام بھی ہوتے

باقی صفحہ پر

جامعۃ الہدایۃ

جدید ٹکنالوجی اور دینی علوم کا التزام وقت کا ایک اہم تقاضہ

مولانا محمد فضل الرحیم ندوی (جے پور)

آج ہندوستان کے مسلمان ابتلاء کے جس نازک دور سے گذر رہے ہیں وہ نہایت ہی تشویشناک ہے، اور مستقبل بھی زیادہ پر امید نہیں، ایسے شدید اور خطرناک حالات میں ضرورت ہے ایک ایسی جامع اور ہمہ گیر تحریک کی جو سب سے پہلے مسلمانوں میں خود اعتمادی کے ساتھ خود اعتمادی پیدا کرنے، اور اس کے بعد ہر جہت اور ہر سمت میں ان کی ترقی کیلئے قدم اٹھائے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حقیقی اور پائیدار ترقی کے لئے سب سے زیادہ جس شعبہ کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے وہ تعلیم کا شعبہ ہے۔ اس لئے کہ تعلیم ہمیشہ سے مہذب اور ترقی یافتہ قوموں کا سرمایۂ افتخار اور طرۂ امتیاز رہی ہے، لہٰذا ہماری اولین کوشش یہی ہونی چاہئے کہ اعلیٰ تعلیم پر ہماری توجہ پوری طرح مرکوز ہو، لیکن ہمیں اس سلسلہ میں کوئی قدم اٹھانے سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ تعلیم کے سلسلہ میں چاہے جو بھی نصاب مقرر کریں، اس میں دینی تعلیم کا عنصر غالب رہے، اور اسکی بنیادی طور پر دو وجوہ ہیں۔ اوّلاً تو یہ کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے، وہ محض چند رسوم وعقائد کا نام نہیں، بلکہ اس کی تعلیم یہ ہے کہ تمام احکام واوامر کو عملاً نافذ کیا جائے، اور یہ چیز دینی علم حاصل کئے بغیر ممکن نہیں۔ لہٰذا مسلمان ہونے کے ناطے دینی علوم بہرحال ہم کو حاصل کرنا ہیں۔ محض عصری علوم ہماری اس ضرورت کو پورا نہیں کرتے، اور نہ کر سکتے ہیں۔ اس ضمن کی دوسری اہم وجہ یہ ہے کہ اس ملک میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کیجانے والی سازشوں اور کوششوں کو ناکام بنانے، آنے والی نسلوں کے اسلام کو محفوظ کرنے اور آج کے بدلتے ہوئے حالات اور سنگین مسائل کا مقابلہ کرنے کا صرف ایک ہی موثر طریقہ ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم اپنے بچوں کو زیادہ سے زیادہ مذہبی تعلیم دلوائیں تاکہ مذہب سے ان کی وابستگی پختہ سے پختہ تر ہو سکے۔ لیکن ہمیں اپنے زمانے کی ضرورتوں کو بھی مدنظر رکھنا ہے، ہمارا نصاب تعلیم اور نظام تعلیم ایسا جامع ہونا چاہئے کہ جس میں غالب حصہ دینی علوم اور عربی زبان وادب کے لئے مخصوص ہو، اور اسی کے ساتھ اس میں معتدبہ شکل میں عصری و تکنیکی علوم بھی شامل کئے گئے ہوں۔

اگر ہم دینی نصاب ونظام تعلیم کی تاریخ پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں تو یہ بات بخوبی واضح ہو جائیگی کہ ہمارے اسلاف کرام نے ہر دور میں نظام تعلیم میں وقت کی ضرورتوں کا لحاظ رکھا ہے اور وقتی ضرورتوں اور مصالح کو مدنظر رکھتے ہوئے ان میں تبدیلیاں کی جاتی رہی ہیں، آپ زیادہ دور نہ جائیں حالیہ صدی کے دوران رائج دو مشہور دینی نظامہائے تعلیم ہی کو لے لیجئے، ایک وہ جو درس نظامی کے نام سے مشہور ہے، اور جس کا سب سے بڑا مرکز دارالعلوم دیوبند ہے، اور جو اس وقت ہندوستان کے اکثر دینی مدارس میں رائج ہے۔ دوسرا وہ جو اس وقت دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں رائج ہے۔ دونوں نظامہائے تعلیم میں اپنے زمانہ کی ضرورتوں کا لحاظ رکھا گیا ہے، جہاں تک درس نظامی کا تعلق ہے تو اس نصاب کی خصوصیت یہ رہی ہے کہ اس میں منقولات کی اعلیٰ تعلیم کے ساتھ ساتھ معقولات پر بھی زور دیا گیا جب کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے نصاب میں دینیات کے ساتھ عربی زبان وادب کی تعلیم پر خصوصی توجہ دی گئی، اس طرح کہ اس نصاب کے پڑھنے والے طلباء عربی زبان میں فہم معانی وادراک مطالب پر ہی اکتفا نہ کریں بلکہ فصیح عربی میں اپنے مافی الضمیر کو کتابت و خطابت کے ذریعہ ادا کر سکیں، تاکہ وہ فارغین نہ صرف اپنے ملک میں بلکہ خود اہل زبان (عرب) کے سامنے دعوت الی اللہ کا فریضہ انجام دے سکیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان دونوں نظامہائے تعلیم نے ان مقاصد کو بہت بڑی حد تک پورا کیا، جن عظیم مقاصد کی تکمیل کے لئے ان نظامہائے تعلیم کی ترتیب وتعیین عمل میں آئی تھی۔

لیکن آج کے اس بدلتے ہوئے دور میں جبکہ سائنس کی ترقی اپنے عروج پر ہے اور ٹیکنالوجی زندگی کے ہر شعبہ میں داخل ہو گئی ہے ضرورت اس بات کی متقاضی تھی کہ موجودہ زمانے کی ضرورتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ایسا جامع نصاب ترتیب دیا جائے جو عصر حاضر کے تقاضوں کو پورا کر سکے، اور مسلمانوں کا ایک ایسا تعلیمی ادارہ ہو جس میں ایک طرف تو علوم دینیہ کی اعلیٰ تعلیم کا بندوبست ہو تاکہ نئی نسلیں اپنی مذہب سے وابستگی کو پختہ کر سکیں اور دینی علوم میں کامل دستگاہ ان کو حاصل ہو، اس کے ساتھ دوسری طرف موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق سائنس اور جدید ٹیکنالوجی سے بھی ضروری حد تک واقفیت ہی نہیں بلکہ اسمیں مہارت حاصل کر سکیں۔ تاکہ وہ اپنے آپکو موجودہ زمانہ کے ہم آہنگ بنا سکیں، یہ ایک ایسا خواب تھا جو ملّت اسلامیہ کے احساسات کا ترجمان تو بن سکتا تھا مگر بظاہر اس کا شرمندۂ تعبیر ہونا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور تھا۔

لیکن خدا کے فضل سے یہ خواب شرمندۂ تعبیر ہوا، اور اس تعبیر کے ظہور کا مرکز بنا شہر جے پور، جہاں "جامعۃ الہدایۃ" کے نام سے ایک ایسے عظیم ادارے کا قیام عمل میں آیا ہے جو حقیقی معنی میں قدیم صالح اور جدید نافع کا سنگم اور نتیجہ خیز امتزاج ہے۔

سرزمین راجستھان کے گلابی شہر جے پور میں ۸ر دسمبر ۱۹۸۵ء کا دن مدارس اسلامیہ کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کا دن تھا اس دن ایک ایسے ادارے نے فکر وتصور کی حدوں سے نکل کر حقیقت کا روپ لیا جسے وجود میں لانا اگر ناممکن نہیں تو بہت مشکل ضرور تھا: "جامعۃ الہدایۃ" ایک ایسے خواب کی تعبیر ہے جو مذہبی تعلیم اسلامی ثقافت، تہذیب ومعاشرت اور صنعت وحرفت کی تعلیم وتربیت کا آئینہ دار ہے۔

"جامعۃ الہدایۃ" کے بانی نے آئین نو سے ڈرنے کے بجائے آئین نو کے چیلنج کو قبول کیا اور میدان عمل میں قدم جمانے کیلئے اسلامی نظام حیات، دین اور دنیا دونوں کو ساتھ لیکر چلنے والی تعلیم اور تربیت کا منصوبہ بنایا۔

"جامعۃ الہدایۃ" کے قیام کا بنیادی مقصد ایک باشعور قوم تیار کرنا ہے جو اپنی علمی صلاحیت کے ساتھ عملی توفیق سے بھی سرفراز ہو، اور جذبۂ خدا شناسی کے احساس سے بھی جن کا دل معمور ہو ملت بیضاء کے سپوت ہونہار بن کر یہاں سے نکلیں، وہ ایک اچھا ذہن لیکر اور تعمیری انسان بن کر جائیں، ایک روشن مستقبل کے علمبردار ہوں، اور صبح نو کے پیامبر بنیں۔

"جامعۃ الہدایۃ" کا سنگ بنیاد ۱۲ر اکتوبر ۱۹۸۵ء کو مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے دست مبارک سے رکھا گیا۔ اور اس میں تعلیم کا آغاز ستمبر ۱۹۸۶ء سے ہوا۔

جامعۃ الہدایۃ کا نصاب تعلیم قدیم صالح اور جدید نافع کا ایک ایسا مثالی اور معتدل امتزاج ہے جو دینی و دنیوی علم و ہنر کو متناسب معیار کے ساتھ پورا کرتا ہے، جامعہ کے بنیادی نصاب کی ترتیب میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، علیگڑھ مسلم یونیورسٹی، اور این، سی، ای، آر، ٹی کے نصابات کو مدنظر رکھا گیا ہے۔

"جامعۃ الہدایۃ" کا نصاب تعلیم یوں تو تعلیم کے ہر مرحلے (ابتدائی، ثانوی، فوقانی، واعلیٰ تعلیم) کو اپنے حصار میں لئے ہوئے ہے، لیکن جامعہ نے جو بنیادی نصاب تیار کیا ہے، اور جس کی تعلیم کا سلسلہ باقاعدہ ستمبر ۱۹۸۶ء مطابق محرم ۱۴۰۷ھ کو شروع ہوا۔ اس کا معیار ہائر سیکنڈری سے شروع ہو کر گریجویشن کی سطح تک گیا ہے اور اس نصاب کو "عالی" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اس کی کل مدت تعلیم ۸ سال ہے۔ یہ نصاب دینی علوم تکنیکی تعلیم نیز عصری مضامین کا حامل ہے۔

اسوقت جامعہ میں تعلیم کا سلسلہ تین مرحلوں پر منقسم ہے۔

۱۔ اعدادیہ :- یہ ایک دو سالہ عارضی نصاب تعلیم ہے یہ کورس عصری تعلیم گاہوں سے آنے والے طلبا کو جامعہ کے نصاب (عالی) میں داخلہ کیلئے اہل بنانے کے واسطے نافذ کیا گیا ہے۔

۲۔ ثانوی : یعنی درجہ ششم سے درجہ نہم تک، اس نصاب کی تیاری میں دو بنیادی امور خاص طور پر مدنظر رکھے گئے ہیں، ایک تو یہ کہ اس کورس کو پورا کرنے پر طلباء لازمی دینی معلومات رکھنے کے ساتھ ساتھ عربی زبان سے بھی واقفیت حاصل کر چکے ہوں اور دوسرے یہ کہ وہ عصری علوم میں بھی اپنے معاصر اسکولی طلباء سے پیچھے نہ رہیں، اگر کسی وجہ سے وہ جامعہ میں اپنا سلسلۂ تعلیم جاری نہ رکھ سکیں تو دیگر مدارس یا اسکولوں میں بآسانی داخلہ لے سکیں۔

۳۔ عالی : یہ پانچ سالہ کورس ہے، جس کے اندر مندرجہ ذیل مضامین کی تعلیم ہوتی ہے

الف : تفسیر، حدیث، فقہ، اصول برائے ہرسہ علوم، عقائد وکلام، علم الفرائض۔

ب : عربی زبان وادب۔

ج : انگلش، ہندی، علوم ثقافیہ واجتماعیہ۔ ←

د : تکنیکی تعلیم، جس میں اس وقت مندرجۂ ذیل تین ٹریڈس چل رہی ہیں۔

۱۔ کمپیوٹر ایپلیکیشن۔ (۲) ویلڈر کم فٹر۔

۳۔ الیکٹریشن کم وائر مین۔

(اس میں ٹیکنیکل تعلیم سرٹیفکٹ معیار کی ہے جبکہ دیگر علوم وفنون گریجویشن کے مساوی ہیں) ٹیکنیکل شعبہ کی دو ٹریڈ یعنی "ویلڈر کم فٹر" اور "الیکٹریشن کم وائر مین" کی عملی تعلیم کیلئے چار وسیع ہالوں پر مشتمل ایک ورکشاپ قائم کیا گیا ہے۔ جہاں تمام ضروری مشینیں وآلات فراہم کئے گئے ہیں اس کا شمار ملک کے ممتاز ٹیکنیکل اداروں میں کیا جاسکتا ہے جہاں تجربہ کار استادوں کی نگرانی میں طلباء کام سیکھتے ہیں۔

اسی طرح کمپیوٹر ٹریڈ میں دو کورس چل رہے ہیں۔

الف:- Certificate Course in Computer Applications.

ب: DEPLOMA GRADUATION COURSE IN COMPUTER APPLICATIONS.

(یہ کورس دینی مدارس کے فارغین کے لئے مخصوص ہے جس کی مدت ایک سالہ ہے واضح رہے کہ جامعہ میں ٹیکنیکل ٹریڈ کے سالانہ امتحانات علیگڈھ مسلم یونیورسٹی کے پالیٹیکنک کے شعبہ کی نگرانی میں ہوتے ہیں، اور وہیں کے اساتذہ آکر امتحان لیتے ہیں) اور اس طرح بانی جامعہ حضرت مولانا محمد عبدالرحیم مجددی کا وہ خواب شرمندۂ تعبیر ہو رہا ہے کہ دینی تعلیم کے ساتھ عصری وجدید ٹیکنیکل تعلیم کو شامل کیا جائے۔

۲۔ درجہ حفظ و تجوید قرآن :-

حفظ وتجوید میں خصوصی رجحان رکھنے والے طلباء کیلئے ایک الگ شعبہ قائم ہے جس کی مدت ۳ سالہ ہے۔

ابتدائی تعلیم یعنی پہلی کلاس سے پانچویں کلاس تک کی تعلیم کا انتظام جامعہ میں نہیں ہے، البتہ اس کیلئے یہ طے کیا گیا ہے کہ اندرون ملک قائم معیاری ابتدائی مدارس یا اسکولوں کو جامعہ سے ملحق کر دیا جائے اس شرط کے ساتھ کہ وہ ہمارا نصاب پڑھائیں۔

جامعہ میں دینی وعصری علوم حاصل کرانے کے ساتھ ساتھ طلباء میں تقریری اور تحریری ذوق اور قابلیت پیدا کرنے کیلئے نیز فکر ونظر کو وسیع کرنے کے لیے طلبا کی انجمنیں ہیں، جن کے سربراہ خود طلباء ہوتے ہیں۔ ان میں عربی، اردو اور انگلش تینوں زبانوں میں تحریر وتقریر کی مشق کرائی جاتی ہے کیونکہ ایک مکمل شخصیت کے اوصاف کا اہم جزو ایک اچھا مقرر اور صاحب قلم ہونا بھی ہے۔

جامعہ میں اساتذہ اور طلباء کی سہولت کے لیے ایک معیاری لائبریری قائم کی گئی ہے، جس میں سردست تقریباً ۱۵ ہزار کتابیں عربی، اردو، فارسی، انگریزی، ہندی، اور گجراتی میں موجود ہیں۔ اور منصوبے کے تحت جس لائبریری کا قیام عمل میں آئے گا اس میں ۱۰ لاکھ کتابوں کا ذخیرہ ہوگا، اس کے علاوہ "مکتبۃ الشباب" کے نام سے بھی ایک اور لائبریری اسوقت جامعہ میں موجود ہے، جس کا انتظام خود طلباء ہی کرتے ہیں اور یہاں بھی کافی کتابیں موجود ہیں۔

درسگاہ عبادت گاہ ہے اور جسطرح عبادتگاہ میں کوئی چھوٹا بڑا نہیں، امیر غریب نہیں اسی طرح یہ فرق درسگاہ میں بھی نہ رہے، اس کے لیے سبھی طلباء یہاں جامعہ کے مقرر لباس کالی شیروانی وٹوپی اور سفید پاجامہ میں نظر آئیں گے، یہ لباس جہاں ایک طرف احساس یگانگت پیدا کرتا ہے وہیں دوسری طرف احساس خودداری بھی پیدا کرتا ہے۔

جامعہ کے مکمل بجٹ کا تخمینہ اسوقت تقریباً پچاس کروڑ روپے کا ہے، اس عظیم منصوبے کی تکمیل کے لیے ایک وسیع رقبہ (دو سو نوے بیگھہ) خرید لیا گیا ہے اسوقت دو بلڈنگس (ایک جامعہ کی مین بلڈنگ، دوسری وہ بلڈنگ جو اسوقت ہاسٹل کے بطور استعمال ہو رہی ہے) مکمل ہو چکی ہیں، تعمیری منصوبے کے تحت مندرجۂ ذیل بلڈنگس تعمیر ہونا ہیں۔

۱۔ مسجد۔ ۲۔ مدرسہ ثانویہ، ۳۔ کرافٹ ٹیکنیکل اینڈ انڈسٹریل ٹریننگ کالج ۴۔ سنٹرل لائبریری، ۵۔ ہاسٹل، ۶۔ ہاسپٹل ۷۔ آڈیٹوریم، ۸۔ اسٹاف کوارٹرز، ۹۔ پرنٹنگ پریس ۱۰۔ جمنازیم ۱۱۔ سوئمنگ پول، ۱۲۔ گیسٹ ہاوس

دینی تعلیم کے ساتھ عصری وصنعتی تعلیم اور بالخصوص سرٹیفکٹ وڈپلوما کورسیز ان کمپیوٹر ایپلیکیشن ان کورسیز کا دینی مدرسہ کے ماحول میں اجراء یقیناً ایک تاریخی قدم ہے اور یہ صرف جامعہ ہی کے لیے نہیں بلکہ مدارس اسلامیہ میں ترقی چاہنے والے اور دنیا کی ضرورتوں کے شانہ بشانہ چلنے والے مسافروں کیلئے ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

جامعۃ الہدایۃ
۱۶۱۷ کھنجڑے کا راستہ
بالمقابل ہدایت مسجد
پوسٹ بکس نمبر ۳۰ نزد اندرا بازار
جے پور ۳۰۲۰۰۱ (راجستھان)۔ انڈیا

بقیہ: درس حدیث

اور کبھی ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ کسی مجلس میں لوگ جھوٹ اور بے بنیاد باتیں کر رہے ہیں اس سے بچنے کے لیے آدمی وہاں سے اٹھ کر چلا جائے کہ ایسی مجلس سے بچے جہاں یہ سب لغویات ہو رہی ہو

حدیث کا فقہی پہلو

گناہ کبیرہ ہر وہ گناہ ہے جس کا ذکر حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نار (آگ)، یا لعنت یا عذاب پر ختم ہو رہا ہو، ہاں گناہ کبیرہ سرزد ہو جانے کے بعد فوراً توبہ واستغفار کر لینے سے وہ گناہ کبیرہ نہیں رہ جاتا ایسے ہی صغیرہ گناہ بار بار کرتے رہتے رہنے سے گناہ کبیرہ بن جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"إِن تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ"[۴]

اگر بڑے گناہوں سے جن سے تم کو منع کیا جاتا ہے اجتناب رکھو گے تو ہم تمہارے (چھوٹے چھوٹے) گناہ معاف کر دیں گے۔

سب سے بڑا گناہ کبیرہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو شریک کرنا ہے اس کے بعد کسی کو قتل کر دینا، پھر زنا، اللہ تعالیٰ کے ارشاد پاک میں یہی ترتیب ہے فرمایا:

"وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ"[۵]

اور وہ جو خدا کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور جس جاندار کا مار ڈالنا خدا نے حرام کیا ہے اس کو قتل نہیں کرتے مگر جائز طریق پر (یعنی حکم شریعت کے مطابق) اور بدکاری نہیں کرتے۔

گناہ چھوٹا بھی ہو تو بار بار کرنے سے بڑا بن جاتا ہے[۶]۔ اس لیے کہ تکرار سے دل بے حس ہو جاتا ہے اور گناہ کی جرأت بڑھتی جاتی ہے۔

۱؎ اسراء۔ ۲۳ ۲؎ حج۔ ۳۰
۳؎ نساء۔ ۳۱ ۴؎ فرقان۔ ۶۸
۵؎ مجموعۂ فتاوی۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ

بقیہ: مطالعہ کی میز پر

ایک ایک شعر میں جس معنویت کی گونج سنائی پڑتی ہے، وہ مضراب حیات کے دلکش نغمے معلوم ہوتے ہیں۔

خلش صاحب نے غزل کے علاوہ دیگر اصناف سخن میں بھی طبع آزمائی کی ہے نعت قطعات، رباعی، سلام اور نظم کے ذریعہ بھی اپنے محسوسات کا اظہار کیا ہے اس سب میں ان کی شخصیت استاذ سخن کی معلوم ہوتی ہے۔ ان کی غزلوں میں روایتی شاعری کا انعکاس بھی پایا جاتا ہے۔ خلش صاحب نے حسن وعشق اور جام ومینا کے پردے میں مسائل زندگی اور ان حقائق کی بہتر انداز میں ترسیل کا فریضہ انجام دیا ہے جن کا رشتہ زندگی سے اٹوٹ ہے۔ اور جس سے اعراض زندگی کی قدروں سے فرار کے مرادف ہے۔ خلش صاحب کا مجموعہ کلام ادبی دنیا میں شرف وقبولیت کے ساتھ بار پانے کے لائق ہے لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ مظروف کی قدر ظرف کی عمدگی، حسن ودلکشی سے اور بڑھ جاتی ہے۔ اس اعتبار سے کلام کی معنویت، کاغذ کتابت اور طباعت کے غیر معیاری ہونے پر شاکی معلوم ہوتی ہے۔ اور یہ کہ آئندہ اس طرف مزید توجہ دی جائے گی۔

بقیہ: مومن کے پیش نظر ہر عمل میں رضائے الٰہی ہونی چاہیے

حضرت! میں بقسم کہتا ہوں اگر قلب میں حقیقت ہے تو ظاہری آرائش سے نفرت ہوگی اور حقیقت سے کورے رہیں تو ظاہری شان وشوکت سے اس کی لیپ و پوت کریں گے۔ مجالس اسلامیہ میں کیا بناؤ؟ اسلام کی طرح مجالس اسلامیہ میں بھی سادگی ہونی چاہیے۔ (اصلاح النساء ص ۳۶۲)

مطالعہ کی میز پر

مولانا محمد خالد ندوی

تبصرے کے لئے کتابوں کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب :۔ التعریف الوجیز بکتب الحدیث الشریف۔
تالیف :۔ سلمان الحسینی الندوی
ناشر :۔ دار السنہ لکھنؤ
صفحات :۔ چھہتر ۷۶
سال اشاعت :۔ ۱۹۹۳ء
ملنے کا پتہ :۔ مکتبۃ الندویہ۔ ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ 226007

پیش نظر کتاب استاذ حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ مولانا سید سلمان حسینی ندوی کے حدیث کے موضوع پر وسیع مطالعہ کی روشنی میں قلمی کاوشوں کا ایک مفید، مختصر مگر جامع اور وقیع مجموعہ ہے۔ جس میں مؤلف نے شستہ عربی زبان میں طلبائے علوم دینیہ کے لیے عموماً اور حدیث کے طلباء کے لیے خصوصاً ایسی معلومات جمع کر دی ہے جو اس موضوع پر ہزاروں صفحات کا خلاصہ اور نچوڑ ہے۔ تھوڑے سے وقت میں وسیع معلومات کی تحصیل اس کتاب کے ذریعہ ممکن ہے۔ مجموعہ احادیث کی خارجی اور داخلی قدروں کی رعایت سے قدماء نے اس کے جتنے اصناف بیان کیے ہیں، اور اس سلسلے میں جتنی اہم اور معروف تصنیفات پیش کی گئی ہیں، اختصار کے ساتھ ان سب کا جامع تعارف پیش کیا گیا ہے۔ مثلاً

الصحاح، الجوامع، السنن، کتب الاحکام، الموطات، المصنفات، المستدرکات، المستخرجات، المسانید، المعاجم، الاطراف، الأجزاء، کتب الزوائد، کتب المجامیع، کتب الاحادیث المشتہرۃ، کتب الترغیب والترہیب، کتب الزہد والفضائل، کتب الموضوعات والضعفاء، کتب الموضوعات الخاصۃ، کتب الفنون الاخری، کتب الشروح الحدیثیۃ، کتب المفاتیح والفہارس، کتب التخریج وغیرہ۔

یہ کتاب اپنے موضوع کے لحاظ سے حدیث کے طلباء کے لیے بہت اہم ہے۔ اس لائق ہے کہ اس موضوع پر طلباء کے مطالعہ کا جزء قرار دیا جائے۔ امید کہ مدارس کے ... کتاب سے بھرپور فائدہ اٹھائیں۔

گے۔ عمدہ کاغذ، طباعت اور حسین گرد پوش سے معنوی خوبیاں اس کی دو چند ہیں۔ اہل علم کے لیے ایک خاصہ کی چیز ہے۔

نام کتاب ۔ اعتبار فن
ترتیب ۔ نصیر الدین خاں خلش محلہ قضیارہ سیتاپور
ناشر ۔ " " "
ملنے کا پتہ ۔ خلش گونڈوی محلہ قضیارہ سیتاپور یوپی۔

شاعر اپنے جذبات، احساسات کی ترسیل کچھ اس انداز سے کرتا ہے جس سے وجدان و شعور کی بارگاہ میں نہ صرف بار پاتا ہے بلکہ اسے تسخیر کرتا چلا جاتا ہے۔ سامعین پر ایک اہتزاز کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور محسوسات کی دنیا میں اس کی معنویت پیکر خیال تک محدود نہیں رہتی بلکہ رگ سنگ بھی متاثر ہوتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ شاعر کا کلام اپنی پختگی اور معنوی قدروں کے تناسب سے اعتبار فن کا درجہ حاصل کرتا چلا جاتا ہے۔ اس کا کلام ایسا رسیلا، شیریں، متین، سنجیدہ اور پر وقار ہوتا ہے کہ اس کے دو چار چھینٹوں سے غم کے شعلے سرد پڑ جاتے ہیں۔ اور سامع یا قاری اپنے آپ کو ایسے مقام پر پاتا ہے جہاں حسن کی دلکشی اور عشق کی دلبری ہوتی ہے۔ جہاں باغ و بہار کی رعنائیاں، عنادل کا ہجوم، تتلیوں کا رقص، سرو سمن کا جھوم جھوم کر استقبال کرنا، غنچوں کی چٹک، پھولوں کی مہک اور کوئل کی کوک سے فضا پر بہار و پر انوار ہوتی ہے، ایسے میں وہ سب کچھ بھول جاتا ہے، اور شاعر کے جذبات و احساسات کی ترسیل وہ خود اس طرح کرتا ہے گویا یہ اس کی آپ بیتی ہے یا معدن گم گشتہ ہے جس کو اس نے آج پا لیا ہے۔ شاعر کا یہی وہ مقام ہے جو اسے نگارشات کی دنیا میں زندہ جاوید بنا دیتا ہے۔

اس اعتبار سے جناب خلش صاحب جو ایک کہنہ مشق پرگو شاعر ہیں۔ ان کا مجموعہ کلام "اعتبار فن" فنی معراج قرار دیا جا سکتا ہے۔

(باقی صفحہ ۱۳ پر)

مدرسہ مظہر الاسلام بلوچ پورہ میں معتمد تعلیم جناب مولانا عبد اللہ عباس صاحب ندوی کا خطاب

مدرسہ مظہر الاسلام بلوچ پورہ شاخ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ ایک نوخیز ادارہ ہے، رواں تعلیمی سال ۱۴۱۴ھ میں اس کا باقاعدہ آغاز ہوا اور چند مہینے میں اس ادارہ نے خاطر خواہ ترقی کی، تعلیمی پیش رفت کے ساتھ ساتھ طلباء کی تعداد بھی حوصلہ افزا رہی، فی الحال مدرسہ میں عالیہ اولیٰ تک کی تعلیم ہے، عالیہ اولیٰ میں تقریباً چالیس طلبا زیر تعلیم ہیں۔ ہاسٹل میں رہنے والے طلباء بھی اچھے خاصے ہیں، ایک نوخیز ادارہ جس کی تشکیل پر ابھی صرف چند مہینے گذرے ہیں، اس ترقی سے اس کے روشن مستقبل کا پتہ چلتا ہے، اللہ تعالیٰ استحکام و استقامت سے نوازے۔ اس ادارہ میں ناظم مدرسہ جناب مولانا محمد اسحٰق صاحب ندوی کی دعوت پر جناب مولانا عبد اللہ عباس صاحب ندوی مدظلہ تشریف لائے۔ موصوف کے ہمراہ مولانا محمد خالد ندوی استاذ حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء بھی تھے، ان حضرات نے مدرسہ کو دیکھ کر بڑی خوشی و مسرت کا اظہار فرمایا اس موقع پر مولانا عبد اللہ عباس صاحب ندوی مدظلہ نے طلباء کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

عزیز طلبا! مجھ کو اس مدرسہ کے علاوہ دیگر مدارس میں حاضری کا موقع ملا ہے۔ اور طلباء کو بھی خطاب کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ میں بھی ایک مدرسہ کا طالب علم رہا ہوں۔ گویا کہ میری ساری زندگی مدرسہ کی زندگی رہی ہے۔

وہ مدرسہ جہاں پر بچے اسلامی تعلیم حاصل کرنے آتے ہیں کچھ موانست محسوس ہوتی ہے کچھ محبت محسوس ہوتی ہے۔ کچھ اپنی یاد آتی ہے۔

عزیزو! آپ لوگ سب تاریخ ساز ہیں اگر یہ چھوٹے چھوٹے بچے جم گئے اور انھوں نے پڑھ لیا تو اگر یہ ترقی کا باعث ہوئے تو کل یہ تاریخ لکھی جائے گی کہ فلاں فلاں لڑکے تھے۔ فلاں فلاں محدث ہوا۔ کوئی مفسر ہوا کوئی فقیہ ہوا، کوئی پروفیسر ہوا، کوئی شیخ ہوا، کوئی ڈاکٹر ہوا۔

کہا جاتا ہے کہ دار العلوم ندوۃ العلماء قائم ہوا تو اس وقت فلاں فلاں طالب علم تھے اسی طرح بڑی درسگاہیں ہمیشہ بڑی درسگاہیں نہیں تھیں۔ آج کی بڑی بڑی یونیورسٹیاں جن کی لق و دق عمارتیں ہیں اگر معلوم کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہاں بھی اسی قسم کی حالت تھی بیٹھنے کی جگہ نہیں تھی۔

اسی طرح یہاں کے اساتذہ بھی قابل مبارکباد ہیں۔ جو عالی شان عمارتیں چھوڑ کر اس خستہ حال عمارت میں تعلیم دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نیت کو دیکھتا ہے اسی اعتبار سے اس کو اجر دیتا ہے، یہ درس گاہ بھی ایک تناور درخت ہوگا یہاں کے رہنے کو غنیمت سمجھیں مقصد کے لحاظ سے بھی۔ یہاں کے اساتذہ دنیاوی لحاظ سے بھی تاریخ میں آپ سے جڑے ہوئے ہیں۔ کہا جائے گا کہ اس وقت کون کون اساتذہ تھے کون کون طلباء تھے کس طرح سے مٹی گارے کا کام کرتے تھے، بیٹھنے کی جگہ نہیں تھی، پانی ٹپکتا تھا۔ رات کو سونے کی جگہ نہیں تھی، یہ سب باتیں بیان کی جاتی ہیں اور بیان کی جائیں گی۔

اس طرح آپ لوگ جس مرحلے سے گذر رہے ہیں، ہمیشہ یہ دن نہیں رہے گا جب اس کی عمارت بنے گی تو بڑی خوشی ہوگی، اللہ تعالیٰ بقدر محنت دیتا ہے۔ یہ چھوٹے بچے سکہ بن سکتے ہیں۔ یہ سب غیب سے نہیں آتا مٹی سے لوگ سونا بناتے ہیں اپنی محنت سے۔ تعلیم سے بڑے بن جائیں دوسروں کے لیے نمونہ بن جائیں یہ آسمان سے نہیں ٹپکے گا یہ آپ کی محنت آپ کے اساتذہ کا خلوص یہ دونوں مل کر کام کریں گے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو تاریخ ساز عہد کا بانی بنائے۔ اور مدرسہ کو ترقی کا باعث بنائے۔ آمین۔

اخیر میں مولانا محمد خالد صاحب ندوی استاد حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء نے بھی طلباء کو خطاب کیا۔

جلسہ کا آغاز مدرسہ کے طالب علم محمد یوسف نے قرآن کریم کی تلاوت سے کیا نظامت کے فرائض مدرسہ کے نوجوان استاد جناب مولوی محمد خالد صاحب ندوی نے انجام دیئے۔ جلسہ میں مدرسہ کے اساتذہ کے علاوہ شہر کے معزز حضرات نے شرکت کی، جلسہ کا اختتام جناب مولانا عبد اللہ عباس صاحب ندوی کی دعا پر ہوا۔

سوال و جواب

محمد طارق ندوی

س: سورۂ فاتحہ کے بعد اگر امام ایک یا دو آیتیں پڑھنے کے بعد درمیان میں کچھ آیتوں کو بھول کر اسی سورہ کے آگے والی آیات پڑھنے لگے تو کیا بغیر سجدہ سہو کے نماز ہو جائے گی؟

ج: صورت مسئولہ میں نماز بغیر سجدہ سہو کیے ہوئے درست ہو جائے گی۔

س: ایک دینی ادارہ کا ذمہ دار سیاسی اسباب کی بنا پر ایک سیاسی لیڈر کی مورتی کے گلے میں ہار ڈال سکتا ہے؟

ج: مورتی کے گلے میں ہار ڈالنا، چاہے وہ سیاسی ہی غرض سے کیوں نہ ہو ناجائز و حرام ہے۔

س: ایسی لنگی یا پائجامہ جس سے ٹخنے ڈھکے رہتے ہوں، اس کا پہننا اور اس حالت میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

ج: پائجامہ یا لنگی کو ٹخنے کے نیچے تک پہننا شرعاً ممنوع ہے، ایسی حالت میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

س: چلتی ہوئی ٹرین میں نماز پڑھنے کی کیا صورت ہوگی؟

ج: اگر کھڑے ہو سکتے ہیں تو قبلہ رو کھڑے ہو کر نماز ادا کریں گے اور اگر ٹرین میں حرکت زیادہ ہے اور کھڑے نہیں ہو سکتے ہیں تو بیٹھ کر نماز پڑھ سکتے ہیں۔

س: اگر امام مسافر ہو تو مقتدی بقیہ رکعتوں میں خاموش کھڑا رہے یا سورہ فاتحہ پڑھے گا؟

ج: مقتدی بقیہ رکعتوں میں امام کے پیچھے ہی سمجھا جائے گا، وہ سورہ فاتحہ نہیں پڑھے گا۔ بلکہ خاموش کھڑا رہے گا۔

س: آپ کے سوال و جواب کے کالم میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ اگر ایک شخص نے زوجہ کی سگی بہن سے نکاح کر لیا تو وہ نکاح معتبر نہ ہوگا اور بعض تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ بیوی کا نکاح ٹوٹ گیا، صحیح کیا ہے تحریر کیجیے؟

ج: زوجہ کے عقد میں رہتے ہوئے اس کی بہن سے عقد معتبر نہیں ہوگا جن تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ بیوی کا نکاح ٹوٹ گیا وہ تحریریں صحیح نہیں ہیں۔

س: غیر مسلم کا دیا ہوا پیسہ تعمیر مسجد اور مدرسہ میں لگ سکتا ہے یا نہیں؟

ج: مسجد و مدرسہ کی تعمیر میں غیر مسلم کا پیسہ لگا سکتے ہیں لیکن ان کو مندر وغیرہ کی تعمیر کے لیے مسلمان اپنا پیسہ نہیں دے سکتے ہیں۔

س: ایک شخص کے مصنوعی دانت لگے ہوئے ہیں تو کیا غسل میں دانت کی تہہ تک پانی پہونچانا ضروری ہے؟

ج: غسل کرتے وقت صرف کلی کرے دانتوں کو نکالنا اور تہہ تک پانی پہونچانا ضروری نہیں۔

س: عورتیں ناخن میں پالش لگاتی ہیں کیا ایسی صورت میں وضو ہو جائے گا؟

ج: ناخن پالش، پانی پہونچنے سے مانع ہوتی ہے اس لیے وضو درست نہ ہوگا اس کو صاف کرکے وضو کرنا ضروری ہوگا۔

س: جن دواؤں میں الکحل ملی ہوئی ہوتی ہے ان کو استعمال کر سکتے ہیں؟

ج: علاجاً ان دواؤں کا استعمال جائز ہے۔

س: مائک سے اذان کہنا درست ہے یا نہیں؟

ج: مائک میں اذان دے سکتے ہیں اس لیے کہ مائک کی اذان بعینہ اذان دینے والے کی آواز ہے اور حصول مقصد کے لیے زیادہ مفید ہے۔

س: بچہ پیدا ہونے کے بعد مسنون طریقہ اس کے کان میں اذان و تکبیر کہنے کا کیا ہے؟

ج: داہنے کان میں اذان کہے اور بائیں کان میں اقامت کہے۔

کہنہ مشق اطباء کا مطب
حکیم سید صدیق احمد صاحب جو کہ حضرت مولانا اسعد اللہ سے نسبت رکھتے ہیں اور ... سالہ تجربہ بھی ہے) ہمارے طبی ادارے کے ... ہر قسم کی ... کو علاج ... مشورہ کر سکتے ہیں۔ ...
لکھنؤ مشہور علی گڈھ جو شاندار ... موجود ہیں

● دار العلوم کے ایک طالب علم عزیز الرحمن درجہ عالیہ ثالثہ شریعہ کی خالہ کا ۲۳ جولائی ۱۹۹۳ء کو ایک طویل علالت کے بعد انتقال ہو گیا۔ قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

مختصر عالمی خبریں

معید اشرف ندوی

● سعودی عرب کے شاہ خادم الحرمین شریفین فہد بن عبد العزیز نے اپنی کابینہ میں تبدیلی کی ہے شیخ عبد اللہ بن باز جو ملک کے اعلیٰ مذہبی کونسل کے سربراہ ہیں مفتی اعظم کے عہدے پر مقرر کیا ہے اور وقف کی ایک نئی وزارت قائم کی ہے، اس کا قلمدان عبد اللہ بن عبد المحسن الترکی کو سونپا گیا ہے جبکہ محمود بن محمد صفار کو وزیر حج مقرر کیا ہے۔

● پاکستان کے کمپیوٹر انجینیر محمد انعام علوی نے قرآن و حدیث کا پہلا اردو کمپیوٹر تیار کرنے میں کامیابی حاصل کر لی ہے۔ اس میں قرآن مجید کا اردو انگریزی ترجمہ اور احادیث کی چھ کتابوں (صحاح ستہ) کے اردو تراجم کو محفوظ کیا گیا ہے، قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس کمپیوٹر میں پہلی بار عربی متن کو اعراب کے ساتھ محفوظ کیا گیا ہے۔

● ترکی کے شہر استنبول میں حال ہی میں دس مسلم ممالک پر مشتمل اقتصادی تنظیم (ای۔ سی۔ ڈی۔ او) کے اجلاس میں جو فیصلے کیے گئے ہیں اس کے بارے میں تنظیم کے سربراہ نے کہا ہے کہ اس کے دور رس نتائج برآمد ہوں گے اور تنظیم کے ملکوں کے درمیان اقتصادی تعاون کی راہیں ہموار ہوں گی۔ واضح رہے کہ اس تنظیم کے بانی ممبر ترکی، ایران اور پاکستان ہیں۔ اور بعد میں وسط ایشیائی چھ نئی آزاد مسلم ریاستیں اور افغانستان شامل ہو گیا ہے۔

● جرمن کے شہر میونخ میں ہزاروں جرمنی باشندوں نے بوسنیا میں جاری مسلمانوں پر سربوں اور کروشیوں کی جارحیت کے خلاف، اقوام متحدہ، یورپی برادری، سربیا اور کروشیا کے سیاسی رہنماؤں کی تدفین کی علامتی رسومات ادا کی ہیں اور بوسنیا پر اسلحہ کی پابندی کے خاتمہ کا مطالبہ کیا ہے۔

● اسرائیل میں تنخواہ کے اضافے کے مطالبہ پر پبلک سیکٹر کے ۶۰ ہزار سے زائد کارکنوں نے ہڑتال کر دی جس کے باعث مختلف سرکاری اداروں کی کارکردگی متاثر ہوئی ہے۔

● لندن کے ایک اخبار کے سروے کے مطابق دنیا بھر کی کل آبادی کا تقریباً ۲ فیصد اپنے اصل وطن سے باہر مقیم ہے جبکہ دس کروڑ افراد پہلے سے تارکین وطن بن چکے ہیں۔

● ایران کے صدر نے کہا ہے کہ انسانی حقوق کے بارے میں امریکہ کے اظہار تشویش کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے کیونکہ وہ غیر انسانی سرگرمیوں میں ملوث ہے اس کی تازہ ترین مثال بوسنیا کی موجودہ صورت حال ہے۔

● اسرائیل نے جنوبی لبنان میں قائم کیے گئے خود ساختہ حفاظتی زون کے کچھ حصے سے انخلاء کی امریکی تجویز مسترد کر دی ہے۔

● روس نے سابق سوویت ریاستوں میں خصوصاً ان ریاستوں میں جہاں اسلام پسندوں کا غلبہ ہے ایک خصوصی انٹلی جنس ڈیپارٹمنٹ قائم کیا ہے تاکہ روسی مفادات کا تحفظ کیا جا سکے اور ان کی تحریکیں روس کے لیے خطرہ نہ پیدا کر سکیں۔

● تنظیم عرب لیگ نے اپنے ممبر ملکوں سے کہا ہے کہ وہ مغربی ایشیا میں امن بحال ہونے تک اسرائیل کے اقتصادی بائیکاٹ کے اپنے فیصلے پر قائم رہیں چاہے اس کے خلاف کتنا ہی بین الاقوامی دباؤ کیوں نہ ڈالا جائے۔

● اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی ۲۷ قرارداد جو منظور کی گئی تھیں سربوں نے ان میں سے ایک پر بھی عمل نہیں کیا جو اقوام متحدہ کی افادیت کے بارے میں سوالیہ نشان ہے۔

● عراق کا پہلا غیر سودی نظام پر مبنی بینک نے کام کرنا شروع کر دیا ہے اسلامی بینک کے بورڈ کے سربراہ نے بتایا کہ بینک میں ڈیپازٹ رقوم پر شرح سود متعین نہیں ہے۔

● بی جے پی کے لیڈروں کے شور و غل کے باوجود لاکھوں کارسیوک بابری مسجد کے انہدام کی ذمہ داری فخر سے ضرورت پڑنے پر قبول کرنے کے لیے تیار ہیں لیکن مرکزی تحقیقاتی بیورو کے سامنے بابری مسجد کے انہدام کی ذمہ داری ایک کارسیوک نے بھی قبول نہ کی حتیٰ کہ بڑے بڑے لیڈر بغلیں جھانک کر رہ گئے۔